

جاسوسی دنیا نمبر 70

www.urdufans.com

جاپان کا قتلہ

(پہلا حصہ)

www.allurdu.com

## اُلویا گدھا

کئی نے بار میں داخل ہو کر ایک بھاری جبرے والے آدمی کے شانے پر ہاتھ مارا اور وہ کسی بھیڑیے کی طرح غرا کر پلٹا مگر آن واحد میں اس کی جھلاہٹ غائب ہو گئی یہ اور بات ہے کہ کئی اب بھی غصے میں بھری رہی ہو۔

”آج تو ہوا سے لڑ رہی ہو، بیٹھو۔ یہ اسکاچ بڑی نفیس ہے۔“

”کارٹر کہاں ہے۔“ کئی نے میز پر ہاتھ مار کر کہا۔

بھاری جبرے والے نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور کرسی کی پشت سے ٹک گیا کئی اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتی ہوئی بولی۔ ”مجھے شبہ ہے کہ تم نے اُسے قتل کر دیا ہے۔“

”اوہ..... کیا بکواس ہے۔ آہستہ بولو۔“ بھاری جبرے والا میز پر جھک کر ادھر ادھر دیکھتا

ہوا بولا۔

”میں شہر کی لڑکیوں میں چیختی پھروں گی کہ تم کارٹر کے قاتل ہو۔“

”اُولڑکی ہوش میں آ..... کارٹر میرا بہترین دوست ہے۔“

”دشمن آسان سے نہیں ٹپکا کرتے اور نہ کسی دوسری دنیا کی مٹی سے بنائے جاتے ہیں۔“  
 ”تم بہت زیادہ بڑھی لکھی ہوئی اس لئے زیادہ سوچتی ہو اور جو لوگ زیادہ سوچتے ہیں وہ عموماً چھوٹی ہی عمر میں سٹھیا جاتے ہیں۔“

”مجھے بتاؤ کارٹر کہاں ہے ورنہ میں پولیس کو اطلاع دے دوں گی۔“

”شوق سے دے دو۔“ بھاری جڑے والے نے کہا۔ ”کارٹر جہنم میں ہے اور اس وقت

وہ بھی اسکاچ ہی پی رہا ہوگا۔ تم میرا موڈ خراب نہ کرو۔ یہاں سے دفع ہو جاؤ۔“

”ٹوٹی میں تمہیں دیکھ لوں گی۔ اگر تم نے اُسے قتل کر دیا ہوگا۔“

”اچھا یہ تو بتاؤ کہ میں اُسے قتل کیوں کرنے لگا۔“

”تم تفریحاً قتل کرتے ہو۔ تم یہ نہیں دیکھتے کہ کون تمہارا کتنا گہرا دوست ہے۔“

”میں تفریحاً قتل کرتا ہوں۔“ ٹوٹی مسکرایا۔ ”لیکن اس کے باوجود بھی تم مجھے اتنی دیر سے

گالیاں دے رہی ہو۔“

”میں جانتی ہوں تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔“

”آہا..... تمہارے ہاتھی جیسے عاشق کو قتل کر سکتا ہوں لیکن تم جیسی چوہوں کو اپنے کان

کترنے کی اجازت دے دوں گا۔ شاید تم نے بہت زیادہ پی لی ہے یا پھر تمہیں کئی دن سے

نصیب ہی نہیں ہوئی۔“

ایک بیک کٹی کے چہرے پر بہت زیادہ پریشانی کے آثار نظر آنے لگے اور اس نے رو

دینے والی آواز میں کہا۔ ”خدا کے لئے مجھے پریشان نہ کرو۔ بتا دو۔“

”لڑکی..... میں بڑی سے بڑی قسم کھا سکتا ہوں کہ مجھے علم نہیں۔ پچھلے ہفتے سے وہ نہیں

دکھائی دیا۔“

”پھر بتاؤ۔ میں کیا کروں! اُسے کہاں سے ڈھونڈوں۔“

”کب سے نہیں ملا۔“

”پرسوں سے۔“

”بس! واقعی تم پاگل ہو گئی ہو۔ ہم جیسے لوگ مہینوں کے لئے بھی غائب ہو سکتے ہیں۔  
 ابھی پچھلے ہی سال کی بات ہے کہ ہم دونوں تین ماہ تک غائب رہے تھے اگر ایسا نہ کرتے تو ہم  
 میں سے ایک یقینی طور پر پھانسی پا چکا ہوتا۔ جاؤ..... اطمینان سے بیٹھو۔ میرا خیال ہے کہ اس نے  
 کہیں لمبا ہاتھ مارا ہے۔“

”وہ ان دنوں بہت پریشان دکھائی دیتا رہا ہے۔“ کٹی بولی۔

”آہا تب تو پولیس اس کے پیچھے ہو گئی۔ اُس میں بس یہی ایک بہت بڑی کمزوری ہے کہ  
 وہ پولیس کی پرواہ کرتا ہے اور اپنے حلقے کے پولیس آفیسروں کے مکھن لگاتا رہتا ہے اس کے  
 باوجود بھی بعض اوقات وہ اُسے نہیں بخشے۔ میں کہتا ہوں آخر اتنا کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔“

”تم جھوٹے ہو۔ وہ کسی سے نہیں ڈرتا۔“

”تم مجھ سے زیادہ نہیں جانتیں۔ عورتوں کے سامنے تو کچھ بے بھی خچیاں بگھارنے لگتے ہیں۔“

”تم اپنے دوست کے متعلق ایسی بُری رائے رکھتے ہو۔“

”کچی بات ہر حال میں کہی جاتی ہے۔“

”کبھی اُس کے منہ پر کہو۔“

”تم تو خواہ مخواہ لانے پر آمادہ ہو۔ اگر میرے دوست کی محبوبہ نہ ہوتی تو بتاتا۔“

”کیا بتاتے۔“

”کچھ نہیں ختم کرو۔ غصہ تھو کو اور اسکاچ پیو۔“

”میں نہیں پیتی۔“

”اچھا تم نے اُس سے پریشانی کی وجہ پوچھی تھی۔“

”اس نے کچھ نہیں بتایا۔“

”کہیں وہ کسی لڑکی کے چکر میں نہ ہو۔ ایسے مواقع پر بھی وہ بہت زیادہ پریشان رہتا ہے۔“

”اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔“

”وہ یہ سوچ سوچ کر پریشان ہوتا رہتا ہے کہ دیکھو ہاتھ آتی ہے یا نہیں۔“

”میرا مذاق مت اڑاؤ ٹونی۔“

ٹونی نے ایک ویٹر کو بلا کر دوسرا گلاس منگوایا۔

”تم پیو کئی۔ اسکاچ ساری پریشانیاں رفع کر دیتی ہے۔ ایک گلاس تمہارے ذہن میں دس کارٹر پیدا کر دے گا۔ دوسرے گلاس پر تمہیں چاروں طرف کارٹر کی کارٹر نظر آئیں گے۔“

کئی کچھ نہ بولی۔ وہ اُسے گلاس میں شراب انڈیلتے دیکھتی رہی۔

”یہ لو۔ پہلے تم اپنا موڈ ٹھیک کر لو پھر میں تمہیں کارٹر کے متعلق بہت کچھ بتاؤں گا۔“

کئی نے گلاس کو میز سے اٹھائے بغیر سر جھکا کر دو تین چسکیاں لیں اور سیدھی بیٹھ کر اپنا نچلا ہونٹ چوسنے لگی۔

ٹونی سگریٹ سلگا رہا تھا اُس نے دھوئیں کا کثیف بادل اگلتے ہوئے کہا۔ ”دنیا میں وہی آدمی خوش رہ سکتا ہے جسے صرف اپنی ذات سے محبت ہو۔“

”تم اس مسئلے پر مجھ سے بحث نہیں کر سکو گے۔“ کئی فخریہ انداز میں بولی۔

”میں جانتا ہوں تم بہت پرہی لکھی ہو مگر اُسے ہمیشہ یاد رکھنا کہ کارٹر کو پڑھے لکھے ہونے سے ذرہ برابر بھی دلچسپی نہیں ہے۔ اگر ایک خارش زدہ کتیا بھی اُس کے لئے سکس اپیل رکھتی ہے تو وہ اُس کے لئے ضرور دم ہلائے گا۔ علم..... پیئہ۔“

”تم آخر مجھ سے اتنی بے تکی باتیں کیوں کر رہے ہو۔“

”میں تمہیں حقیقت سے آگاہ کر رہا ہوں کئی پور کیٹ۔“

”خاموش رہو۔ میں اس سلسلے میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔“

”وہ تم سے زیادہ حسین ہے بھولی لڑکی۔“

”کون۔“

”کوئی بہت امیر لڑکی۔ لیکن وہ تمہاری طرح یوریشین نہیں ہے بلکہ کسی خالص سفید نسل

سے تعلق رکھتی ہے۔ تصویر ہے تصویر..... لو اور لو۔“

اُس نے پھر اُس کے گلاس میں شراب انڈیل کر سائیفن سے سوڈے کی دھار ماری۔

”مجھے اُس کا پتہ بتاؤ۔“

”پتہ نہیں معلوم لیکن میں نے کارٹر کو پچھلے دنوں اُس کے ساتھ سی سائیڈ سوئنگ کلب میں دیکھا تھا۔ آف فوہ..... سرخ رنگ کے تیراکی کے لباس میں وہ شعلہ معلوم ہو رہی تھی اور کارٹر اس طرح اُس کے پیچھے دم ہلاتا پھر رہا تھا جیسے وہ سچ مچ اس کا بہت پرانا کتا ہو۔“

”بس کرو۔ ورنہ میں یہ گلاس تمہارے منہ پر کھینچ ماروں گی۔“

”ہاہا..... لیکن اس کے باوجود بھی تم کارٹر کو واپس نہ لاسکو گی۔ اب اُسے بھول جاؤ۔ تم اُس کے لئے پہلی لڑکی نہیں تھیں۔ مجھے دیکھو میں کتنا خوش رہتا ہوں۔ کتنا لگن رہتا ہوں، کیونکہ میں نے آج تک محبت کا روگ نہیں پالا۔ ہمارے پیشے کے لوگ عموماً محبت ہی کے چکر میں مارے جاتے ہیں۔“

”وہ صرف میرا پارٹنر ہے۔“

”وہ تو میں بھی جانتا ہوں لیکن تم اتنی پریشان کیوں ہو۔ تمہیں دوسرا پارٹنر بھی مل سکتا ہے۔“

”بیکار باتیں نہ کرو۔ وہ بہت چالاک ہے۔ اُس نے آج تک مجھ پر کوئی آج نہیں آنے دی۔ خطرات میں وہ میری ڈھال بن جاتا ہے۔“

”تم جس کے ساتھ کام کرو گی وہی بنے گا۔ آؤ چلو آج آزمائش کے طور پر کچھ ہو جائے۔ میں کارٹر سے بھی زیادہ لمبے ہاتھ مارنے والوں میں سے ہوں اور میں تم جیسی خوبصورت لڑکیوں کی بھی آڑ نہیں لیتا لیکن اگر تم جیسی کوئی پارٹنر مل جائے تو مجھے بھی انکار نہ ہوگا۔ اس طرح ہمیں فائدہ ہی ہوگا نقصان نہیں۔“

”میں کارٹر کے علاوہ اور کسی کے ساتھ کام کرنا پسند نہیں کرتی۔“

”بس وہی محبت۔“ ٹونی حقارت سے ہنسا۔

”یہی سمجھ لو۔“ کئی دانت پیس کر بولی۔ ”میں اُس کے علاوہ دنیا کے اور کسی مرد کو نہیں پسند کر سکتی سمجھے۔“

”حمایتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔“ ٹونی نے برا سامنے بنا کر کہا اور کرسی کی پشت سے

لگ گیا۔

”اب میں جا رہی ہوں۔ تم کارٹر کے دوست ہرگز نہیں ہو۔ تم اس کے دشمن ہو۔ مجھے یقین ہے۔ اس کی روپوشی میں تمہارا ہی ہاتھ ہے۔ اچھی بات ہے۔ میں دیکھوں گی کہ میں اس سلسلے میں کیا کر سکتی ہوں۔“

”جاؤ.....!“ ٹونی بندروں کی طرح دانت نکال کر ہاتھ ہلاتا ہوا بولا۔



ہیویشام لاج کے ایک کمرے میں ایک نوجوان یوریشین بیٹھا خوفزدہ نظروں سے اس آدمی کی طرف دیکھ رہا تھا جس کے متعلق یہ کہنا دشوار تھا کہ وہ کوئی مرد ہے یا عورت۔ کیونکہ اس کے جسم پر سر سے پیروں تک سیاہ لبادہ تھا۔ صرف آنکھوں کی جگہ دو سوراخ نظر آ رہے تھے۔ اس کے ہاتھ میں چمڑے کا بڑا سا چابک تھا۔ دفعتاً اس نے یوریشین سے کہا۔ ”تم پھر خاموش ہو گئے۔“

اس کی آواز سے بھی اندازہ نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ کوئی عورت ہے یا مرد۔

”اؤ..... اؤ..... ہو۔“ یوریشین چونک کر کہنے لگا۔ ”میرا نام جی کارٹر ہے۔ میں گدھا ہوں۔ مجھے ایک گدھی نے جتنا تھا اور..... اور میرا باپ اُلو تھا۔ میرا نام جی کارٹر ہے۔ میں گدھی..... ارے..... ہا.....!“

وہ اچھل کر دیوار سے جا ٹکرایا کیونکہ ایک بیک سیاہ پوش کا چابک اس کی طرف لپکا تھا۔

”بھول جاتا ہے..... گدھے کے بچے۔“ سیاہ پوش نے اُسے ڈانٹا۔

”اب نہیں..... بھولوں گا۔“ یوریشین اپنی پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔ ”میرا نام جی

کارٹر ہے۔ میں گدھا ہوں۔ مجھے ایک گدھی نے جتنا تھا اور میرا باپ اُلو تھا۔“

”رک رک کر نہیں۔ تیزی سے کہو۔“ سیاہ پوش نے پھر چابک گھمایا اور جی کارٹر نے بچنے کی کوشش میں چھلانگ لگائی پھر زمین پر پیر لگتے ہی وہ تیزی سے کہنے لگا۔

”میرا نام جی کارٹر ہے۔ میں گدھا ہوں۔ مجھے ایک گدھی نے جتنا تھا اور میرا باپ اُلو تھا۔ میرا نام جی کارٹر ہے۔ مجھے ایک گدھی.....!“

”پھر.....!“ چابک پھر لہرایا اور جی کارٹر نے بچنے کے لئے پھر چھلانگ لگائی اور پھر بکنے لگا۔ ”میرا نام جی کارٹر ہے۔ میں گدھا ہوں۔ مجھے ایک گدھی نے جتنا تھا اور میرا باپ اُلو تھا۔“

وہ اسی طرح یہ تینوں جملے تیزی سے دہراتا رہا لیکن ساتھ ہی وہ سیاہ پوش کے چابک کی طرف بھی دیکھ جا رہا تھا اور جب بھی اُس کی زبان لڑکھڑاتی چابک ضرور گھومتا لیکن ابھی تک ایک بار بھی چابک اُس کے جسم پر نہیں پڑ سکتا تھا کارٹر کافی پھرتلا معلوم ہوتا تھا۔

دفعتاً ایک جانب کا دروازہ کھلا اور ایک خوبصورت سی سفید فام لڑکی اندر داخل ہوئی لیکن پھر اُلے قدموں چلتے ہوئے دروازے میں جا کر۔

اُس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ کارٹر اس کی طرف دیکھنے لگا لیکن وہ برابر کہے جا رہا تھا۔ ”میرا نام جی کارٹر ہے۔ میں گدھا ہوں۔ مجھے ایک گدھی نے جتنا تھا اور میرا باپ اُلو تھا۔“

وہ کہتا رہا اور ایک بار اُس کی زبان لڑکھڑا گئی۔ نظر لڑکی پر تھی اس لئے اس بار چابک اس کے جسم پر پڑی گیا اور وہ کسی جانور کی طرح چیختا ہوا سیاہ پوش کی طرف جھپٹا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اچھل کر دیوار سے جا ٹکرایا کیونکہ نقاب پوش کے بائیں ہاتھ سے چنگاریاں سی نکلی تھیں۔

اب وہ زمین پر پڑا اپنے جسم کے مختلف حصوں کو بالکل اسی طرح مل رہا تھا جیسے وہ چنگاریاں وہاں چمٹ کر رہ گئی ہوں۔

”چلو کہتے رہو۔“ سیاہ پوش غرایا اور کارٹر کراہتا ہوا وہی تینوں جملے دہرانے لگا۔ لڑکی جہاں تھی وہیں کھڑی رہی لیکن اب بھی اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ہی تھی۔

کارٹر زمین پر پڑا چیختا رہا اور وہی تینوں جملے دہراتا رہا۔ لڑکی مسکراتی رہی اور سیاہ پوش کا چابک خلاء میں گردش کرتا رہا۔

پھر اچانک لڑکی نے سیاہ پوش کو کسی قسم کا اشارہ کیا اور وہ چابک والا ہاتھ روک کر چابک کو اپنی کلائی میں لپیٹنے لگا۔

اس کے بعد جی کارٹر نے اُسے اس کمرے سے جاتے دیکھا اور خاموش ہو گیا۔ اُس کے چہرے سے شدید قسم کی تکلیف کا اظہار ہو رہا تھا۔

لڑکی کو کارٹر نے بُرا سامنہ بنا کر دیکھا۔  
”مجھے افسوس ہے۔“ لڑکی آہستہ سے بولی۔ ”وہ میرے عاشقوں کے ساتھ یہی سلوک کرتا ہے۔“

ایک بیک جی کارٹر اٹھ بیٹھا۔ وہ قہر آلود نظروں سے لڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ دانت پیس کر کسی سانپ کی طرح ہچکھکا رہا۔ ”میں اس وقت بے بس ہوں۔ میں جی کارٹر..... لیکن یہ مت بھولو کہ جیسے ہی مجھے موقع ملے.....!“

”اوہ..... جی ڈیر..... خدا کے لئے مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ان سب حرکتوں کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔“

”نہیں! تم تو صرف عشق کرنا جانتی ہو۔“  
”اف فوہ..... میں تمہیں کیسے سمجھاؤں۔“

”پھر اسی طرح مسکراؤ جیسے کچھ دیر پہلے مسکرا رہی تھی۔ سب کچھ میری سمجھ میں آ جائے گا۔“  
”بس! اب بہت مشکل ہے کہ میری طرف سے تمہاری بدگمانی رفع ہو سکے۔“  
”نہیں کوشش کرو رفع کرنے کی۔“

”اچھا جی یہ بتاؤ۔ کیا میں تمہیں یہاں لائی تھی۔ کیا میں نے تم سے کہا تھا کہ اس عمارت میں قدم رکھو۔“ پچھلی رات تم چوروں کی طرح یہاں داخل ہوئے تھے لہذا ایک چوری کی طرح پکڑ لئے گئے۔“

”اوہ..... تو مجھے پولیس کے حوالے کر دیا گیا ہوتا۔ یہ سب کیا ہے وہ اُلوی پٹھی یا پٹھا کون ہے۔“  
”وہ اُلو کا پٹھا ہی ہے پٹھی نہیں۔“ لڑکی مسکرا کر بولی۔ ”میں نے بھی آج تک اس کی شکل

نہیں دیکھی۔“

”وہ کیا چاہتا ہے۔“

”میں کیا بتا سکتی ہوں۔ میں تو یہ بھی نہیں جانتی کہ میں خود کس چکر میں پھنسی ہوئی ہوں۔“  
”مگر تم میری طرح قید تو نہیں ہو۔“

”نہیں ہوں۔ ٹھیک ہے۔ مگر میں جاؤں کہاں۔ اس ٹھکانے کے علاوہ اور کوئی ٹھکانہ بھی تو نہیں ہے۔ میں نہیں جانتی ہوں کہ میں کون ہوں۔ کیا ہوں اور میرا مقصد کیا ہے۔“  
”کیا بات ہوئی۔“

”کیا تم بتا سکو گے کہ تمہارے والدین کون تھے۔“

”یقیناً بتا سکوں گا۔“

”لیکن میں نہیں بتا سکتی کیونکہ جب سے ہوش سنبھالا ہے یہی سیاہ پوش بھوت آنکھوں کے سامنے رہا ہے اور چابکوں کی شائیں شائیں سنتی رہی ہوں۔“

”یہ کیوں نہیں کہتیں کہ تم اسی بھوت کی صاحبزادی سفید چڑیل ہو۔“

”شوق سے گالیاں دو لیکن میں وثوق سے نہیں کہہ سکتی کہ وہ میرا باپ ہی ہے۔ کیونکہ اس نے اس مسئلے پر کبھی گفتگو نہیں کی بلکہ اس مسئلے وہ زبان کھولنے کی اجازت ہی نہیں دیتا۔ مجھ جیسی دو لڑکیاں اور بھی ہیں اور ان کے عاشق بھی اسی طرح آ پھنسے ہیں۔ چابک کھاتے ہیں اور اپنی زبان سے اعتراف کرتے ہیں کہ وہ گدھی کے بچے اور اُلو کے پٹھے ہیں۔“

جی کارٹر اپنے بال مٹھی میں جکڑنے لگا پھر آہستہ سے بولا۔ ”میں سمجھتا ہوں تم لوگ چاہتے ہو کہ میں پاگل ہو جاؤں۔“

”جی! تم پہلے ہی پاگل تھے۔ میں نے نہ تم سے دوستی کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی نہ دوستی ہو جانے کے بعد میں نے تمہیں اپنا پتہ بتایا تھا۔ نہ کبھی تمہیں کسی قسم کی دعوت دی تھی۔ تم خود ہی آئے اور پھنس گئے۔ میں جانتی تھی کہ اگر تم نے کبھی ادھر کا رخ کیا تو تمہیں بھی چابک کھا کھا کر اپنے گدھی کے بچے اور اُلو کے پٹھے ہونے کا اعلان کرنا پڑے گا۔ یہی وجہ ہے کہ

جواپ میں جی کارٹر کی زبان نہ جانے کیا کیا اگلنے لگی۔ لیکن لڑکی تو جا چکی تھی۔

## بدحواسی

ملازم نے لیڈی شمشاد کی آمد کی اطلاع دی تھی۔ کرنل فریدی حمید اور نیلم کو جھگڑتے چھوڑ کر اٹھ گیا تھا۔ ان دونوں میں کافی دیر سے اس بات پر جھگڑا ہو رہا تھا کہ نیلم حمید کو بابا کیوں کہتی ہے۔ حمید کو کچ جج غصہ آ گیا تھا اور نیلم اُسے برابر کہے جا رہی تھی۔

”پھر میں تمہیں کیا کہہ کر مخاطب کروں۔“

”ارے تو مخاطب کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔“

”واہ یہ کیسے ممکن ہے۔ میں تم سے اتنی محبت کرتی ہوں میرے پیارے بابا جی۔“

”او..... مردود اب تم بابا کے ساتھ جی بھی لگاؤ گی۔ خدا تمہیں عافیت کرے۔“ حمید اپنی پیشانی پر دونوں ہاتھ مارتا ہوا بولا۔

اور پھر وہ وہاں سے اٹھ ہی گیا۔ نیلم اُس کے لئے ایک مستقل عذاب بن کر رہ گئی تھی لیکن مصیبت تو یہ تھی کہ کبھی کبھی اس کی شرارتوں پر پیار بھی آتا تھا۔

وہ سیدھا ڈرائیونگ روم کی طرف آیا لیکن وہ جانتا تھا کہ لیڈی شمشاد ایک بوڑھی عورت ہے۔ دراز قد اور بھاری جسم والی۔ اور زیادہ تر ساری میں رہتی ہے۔ بال گو زیادہ گھنے نہیں ہیں لیکن پھر بھی وہ انہیں آئے دن نئی شکلیں دیتی رہتی ہے اور اُسے یہ بھی یاد آیا کہ گفتگو کرتے وقت وہ ناک سے اس قسم کی آوازیں نکالتی گئی ہے جیسے سانس لینے میں دشواری محسوس ہو رہی ہو۔ وہ ڈرائیونگ روم میں داخل ہوا اور لیڈی شمشاد کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئی۔

فریدی نے مڑ کر دیکھا اور پھر اس سے بولا۔ ”آپ اپنا بیان جاری رکھئے۔ یہ میرے اسسٹنٹ کیپٹن حمید ہیں اور ہر وہ بات ان کے علم میں لائی جاسکتی ہے جو میرے لئے مخصوص ہو۔“

میں نے تمہارے پوچھنے کے باوجود بھی اپنا پیہ نہیں بتایا تھا۔“

”مگر تم بار بار میرے سامنے کیوں آتی تھیں۔“

”کیا اس لئے آتی تھی کہ تم مجھ سے عشق کرنے لگو اور میں کیا کرتی۔ جب میں نے دیکھا کہ تم میرے قریب آنے کی کوشش کر رہے ہو تو میں نے تم سے بھاگنا شروع کر دیا۔ لیکن تم نہ مانے۔ تم نے مجھے دھوکے میں رکھ کر میرا پیہ معلوم کیا اور پچھلی رات یہاں آ چکے۔ مگر تم چوروں کی طرح کیوں آئے تھے؟“

”بس یہ دیکھنے چلا آیا تھا کہ تم سوتے میں کیسی لگتی ہو۔“

”میرا خیال ہے کہ کوئی شریف آدمی تو اس کی ہمت نہیں کر سکتا۔“

”تو میں نے کب کہا ہے کہ میں شریف آدمی ہوں۔“

”نہیں ہو۔“ لڑکی نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

”سمجھو کہ ایک دن اس کا مزہ چکھاؤں گا۔“

”خدا جانے۔“ لڑکی نے لاپرواہی سے کہا۔ ”میں اب تک تم جیسے سینکڑوں دیکھ چکی ہوں۔ وہ بھی اسی طرح مار کھاتے تھے اور بعد میں اینڈ تے تھے۔ مگر آج وہی اس کے غلام ہیں۔ اس کے بوٹ چاٹتے ہیں۔ اس کے سامنے آ کر اب بھی اعتراف کرتے ہیں وہ گدھی کے جنے اور اُلو کے پٹھے ہیں۔“

”مگر تم کس کی پٹھی ہو۔“ جی کارٹر نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

”میرا خیال ہے کہ میں صرف اپنی پٹھی ہوں کیونکہ میں نے آج تک چابک نہیں کھائے اور نہ مجھ سے اعتراف کرایا گیا ہے کہ میں گدھی کی پچی ہوں۔“

”تم کس ملک سے تعلق رکھتی ہو۔“

”میں یہ بھی نہیں جانتی۔ بس انگریزی ہی بولتی ہوں انگریزی ہی لکھ پڑھ سکتی ہوں۔“

”مگر وہ کالا بھوت تو لہجے سے انگریز نہیں معلوم ہوتا۔“

”پیہ نہیں۔ اچھا اب میں جا رہی ہوں۔ تم خوش رہنے کی کوشش کرو۔“

”اوہ..... اچھا اچھا“ لیڈی شمشاد حمید کو اپنے لئے جھکتے دیکھ کر مسکرائی۔ ”مگر بیٹے مصیبت تو یہ ہے کہ وہ بات مجھے بھی مضحکہ خیز معلوم ہوتی ہے۔ تم نہ جانے کیا سوچو۔“

”میں کوئی غلط بات نہیں سوچوں گا۔ مجھ پر اعتماد کیجئے۔“

”میرے خدا.....!“ لیڈی شمشاد اپنی پیشانی رگڑتی ہوئی بولی۔ ”زبان نہیں کھلتی۔ بچوں کی سی باتیں۔“

”مجھے آئے دن ایسی باتوں سے الجھنا پڑتا ہے جن کی دوسروں کی نظروں میں کوئی اہمیت نہیں ہوتی لیکن وہ انتہائی اہم ثابت ہوئی ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ بھی کوئی ایسی ہی بات ہو۔“

لیڈی شمشاد تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔ ”تقریباً ایک ماہ پہلے کی بات ہے ایک رات میں نے سر شمشاد کی پشت پر کچھ لکھا ہوا دیکھا۔ قریب سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ وہ کسی رابر اسٹامپ کا امپریشن تھا اور وہ تحریر.....!“

لیڈی شمشاد خاموش ہو گئی۔ لیکن اب فریدی کے انداز سے بھی لا پرواہی سی ظاہر ہونے لگی تھی۔ حمید جانتا تھا کہ فریدی پوری بات سننے کا متنی ہے لیکن لا پرواہی ظاہر کئے بغیر وقت کی بچت اس کی دانست میں ناممکن تھی۔ وہ ایسے مواقع پر عموماً ہی کرتا تھا۔

آخر لیڈی شمشاد خود ہی بولی ”وہ ایک مضحکہ خیز تحریر تھی بیٹے۔“

لیکن فریدی نے اب بھی اشتیاق ظاہر نہ کیا۔

”تحریر تھی۔ تم الو ہو۔“ لیڈی شمشاد نے کہا اور حمید اس طرح اچھل پڑا جیسے صوفے کے کسی اسپرنگ نے اپنی جگہ چھوڑ دی ہو۔

لیکن فریدی نے ذرہ برابر بھی حیرت کا اظہار نہیں کیا۔

”آپ کہتی چلے۔“ اُس نے کہا۔

”میں نے سر شمشاد کو کوٹ اتارنے کو کہا۔ پھر جب انہوں نے وہ تحریر دیکھی تو انہیں بہت غصہ آیا۔ اُن کا خیال تھا کہ وہ اُن کے کسی بے تکلف دوست کی حرکت تھی۔ مگر ظاہر ہے اس عمر میں ایسی غیر سنجیدگی انہیں بہت گراں گذری ہوگی۔ وہ کافی دیر تک بڑبڑاتے رہے پتہ نہیں باہر

کتنے آدمیوں کی نظریں اس پر پڑی ہوں گی اور انہوں نے کیا سوچا ہوگا۔ یہ چیز اُن کے لئے بڑی پریشان کن تھی۔ خیر بات رفع دفع ہو گئی لیکن ایک ہفتہ بعد پھر وہی تحریر ان کی پشت پر نظر آئی اور میں نے پھر انہیں ٹوکا۔ مگر اس بار نہ تو انہیں غصہ آیا اور نہ انہوں نے اپنے دوستوں کو برا بھلا کہا بلکہ میں نے محسوس کیا کہ وہ بہت زیادہ خائف نظر آنے لگے تھے۔ میں نے پوچھا کہ ایسی حرکت کرنے والا کون ہو سکتا ہے لیکن وہ الٹی سیدھی باتیں کر کے سونے کے لئے چلے گئے۔ دوسری صبح ان کا چہرہ بہت زیادہ اُترا ہوا تھا۔ پھر میں انہیں روز بروز اور زیادہ پریشان دیکھتی رہی۔ پھر ایک ہفتہ پہلے کی بات ہے کہ میں نے ان کی پشت پر لکھا ہوا دیکھا۔ تم الو نہیں ہو۔ انہوں نے بھی اُسے دیکھا اور یک بیک ان کی آنکھوں میں بٹاشت نظر آنے لگی اور اب اُن کی حالت بہت ابتر ہو چکی ہے۔ وزن گھٹ گیا ہے۔ آنکھوں کے گرد حلقے نظر آنے لگے ہیں۔

”الو نہ ہونے کے باوجود بھی۔“ حمید بول پڑا۔ پھر یک بیک سنبھالا لے کر بولا۔ ”میرا مطلب یہ ہے کہ آپ نے ابھی فرمایا ہے تیسری بار کی تحریر نے اُن پر اچھا اثر ڈالا تھا۔“

”ہاں! لیکن وہ اثر وقتی تھا۔ اب وہ روز بروز زیادہ پریشان نظر آنے لگے ہیں۔ بس یہی کہا جاسکتا ہے کہ برابر گھٹتے جا رہے ہیں۔ لیکن وہ مجھے کچھ نہیں بتاتے۔“

”آپ اس سلسلے میں ان کے دوستوں سے بھی ملی ہوں گی۔“

”ہرگز نہیں۔ وہ اکثر مجھ سے کہتے رہتے ہیں کہ میں اس کا تذکرہ کسی سے بھی نہ کروں۔“

”اوہ.....!“

”اب تم بتاؤ کہ میں کیا کروں۔ میں نے یہی مناسب سمجھا کہ تم سے اس کا تذکرہ ضرور کروں۔ ہمارے خاندانی تعلقات.....!“

”اوہ..... جی ہاں۔ میں دیکھوں گا کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔ مگر کیا یہ حقیقت ہے کہ آپ نے اس کا تذکرہ ہمارے علاوہ اور کسی سے نہیں کیا۔“

”تم پہلے آدی ہو۔“

”پہلی بار جب یہ تحریر نظر آئی تھی تو وہ خوفزدہ تھے۔“



”نہیں ہرگز نہیں۔ انہیں اس پر بے حد غصہ آیا تھا اور وہ کافی دیر تک محض شے کی بناء پر اپنے بعض دوستوں کو برا بھلا کہتے رہے تھے۔ خوفزدہ تو وہ دوسری بار نظر آئے تھے۔ بہت زیادہ اور انہوں نے مجھ سے اوٹ پٹانگ باتیں کی تھیں۔“

”مثلاً!“

”مجھے اچھی طرح یاد نہیں۔ باتیں بے ربط سی تھیں۔ مثال کے طور پر دنیا بڑی واہیات جگہ ہے جہاں کوئی بھی چین سے نہیں رہ سکتا۔ کوئی چیز ڈھال نہیں بن سکتی۔ تم کسی ذی عزت آدمی کو سڑک پر پانچ جوتے مارو۔ تمہارا کچھ نہ بگڑے گا۔ لعنت ہے، لعنت ہے آدمی کتنا بے بس ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ پھر انہوں نے کہا تھا میرا موڈ خراب ہے۔ اب میں سونا چاہتا ہوں۔ پھر وہ اپنی خواب گاہ میں چلے گئے تھے۔“

”تیسری تحریر پر وہ کچھ دیر تک خوش نظر آئے تھے اور اس کے بعد وہ بالکل خاموش ہو گئے تھے کچھ بولے ہی نہیں۔ میں نے لاکھ پوچھا۔“

”کیا حال میں کسی سے اُن کے تعلقات خراب ہو گئے ہیں۔“

”میری دانست میں تو نہیں۔“

”تو آج کل وہ بہت زیادہ پریشان رہتے ہیں۔“

”یہی کہنا چاہئے۔“

”آج کل اُن کے مشاغل کیا ہیں۔“

”کچھ بھی نہیں۔ زیادہ تر گھر پر رہتے ہیں۔ ویسے دن میں عموماً ایک بار ہر کارخانے کا چکر ضرور لگاتے تھے۔ مگر اب کئی دن ہو جاتے ہیں وہ گھر سے باہر بھی نہیں نکلتے۔ ملاقات کے لئے آنے والوں سے کہلوا دیتے ہیں کہ وہ گھر پر موجود نہیں ہیں۔“

”ان کے دوستوں میں سب سے زیادہ چالاک آدمی کون ہے۔“

”لیڈی شمشاد اس طرح فریدی کو دیکھنے لگی جیسے اُس نے یہ سوال کسی غیر ملکی کے لئے ناقابل فہم زبان میں کیا ہو۔ لیکن فریدی نے اپنا جملہ دہرایا نہیں۔“

”میں نہیں سمجھی۔“ لیڈی شمشاد نے کچھ دیر بعد آہستہ سے کہا۔

”چالاک آدمی..... اُن کا کوئی بہت زیادہ چالاک دوست۔“

”اُن کے دوستوں میں کبھی ذہین ہیں۔ اگر چالاکی سے مراد ذہانت ہے تو آپ سبھوں کو بہت زیادہ چالاک پائیں گے۔“

”لفظ چالاک اچھے معنوں میں کبھی استعمال نہیں ہوتا۔“

”نہیں! مجھے افسوس ہے کہ میں ایسے کسی آدمی سے واقف نہیں ہوں۔“

”خیر اچھا..... میں کوشش کروں گا کہ اُن کی پریشانی کی وجہ معلوم ہو جائے۔“

لیڈی شمشاد جتنی دیر بھی بیٹھی اس کے متعلق گفتگو کرتی رہی اور اُس کے جانے کے بعد کیپٹن حمید نے ہنسنا شروع کر دیا۔ لیکن فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ بھی نہیں دکھائی دی۔ وہ فکر مند نظر آنے لگا تھا۔



جی کارٹر نے ہیویشام لاج سے نکل بھاگنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا کیونکہ کہاؤنڈ میں چار بہترین قسم کے بلڈ ہاؤنڈ اُس کے پر تپاک استقبال کے لئے موجود تھے۔ وہ اس عمارت کے عقبی حصے کو راہ فرار بنانا چاہتا تھا۔

ابھی صرف آٹھ ہی بجے تھے لیکن سردیوں کا زمانہ تھا۔ اس لئے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے آدھی رات گذر چکی ہو۔ عمارت میں بھی خلاف معمول سناٹا تھا۔ ایسا سناٹا جیسے یا تو اس کے مکین سو گئے ہوں یا پوری عمارت ہی خالی پڑی ہو۔ یہی وجہ تھی کہ کارٹر کے ذہن میں بھاگ نکلنے کا خیال کلبایا تھا۔ مگر وہ کہتے۔ جو بلائے بے درماں کی طرح عمارت کے چاروں طرف چکراتے

پھر رہے تھے۔

اور پھر سڑک پر پہنچ کر تو وہ اس طرح دوڑنے لگا جیسے ملک الموت تعاقب کر رہا ہو۔  
راگبیر اُسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ اگر اس وقت ایک بچہ بھی اس کے پیچھے دوڑ پڑتا تو لوگ  
بھی سمجھتے کہ وہ کچھ چُرا کر بھاگا ہے اور کارٹر کو جان بچانا مشکل ہو جاتا۔

ڈریک روڈ سے گوہن اسٹریٹ میں مڑتے وقت اُس کی رفتار بھی ست ہو گئی اور اُسے  
اپنی مضحکہ خیز پوزیشن کا بھی احساس ہوا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا  
جیسے وہ کسی جیل کی بہت اونچی دیوار سے کودنے کے بعد بھی اپنے ہاتھ پیر پچالے گیا ہو۔

گوہن اسٹریٹ سے نکلنے ہی گرنچ بار سامنے پڑا اور وہ خط الحواس کی طرح اُسی میں  
داخل ہو گیا۔ ویسے گرنچ بار اُس کے لئے کوئی نئی جگہ بھی نہیں تھی۔ وہ اکثر پہلے بھی اپنے احباب  
کے ساتھ یہاں راتیں گزار چکا تھا اور اس وقت بھی اُسے توقع تھی کہ اُس کا کوئی نہ کوئی دوست  
یہاں ضرور موجود ہوگا۔

بار میں تقریباً ساری میزیں گھری ہوئی تھیں لیکن کارٹر کو مایوسی نہیں ہوئی۔ اس کا ایک  
پرانا ساتھی ٹونی ایڈونٹر وہاں موجود تھا۔ جیسے ہی ٹونی کی نظر اُس پر پڑی اس کا منہ کھل گیا لیکن  
پھر ایک خفیف سی مسکراہٹ اُس کے ہونٹوں پر دکھائی دی۔

کارٹر کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ ٹونی اپنی میز پر تنہا تھا مگر ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی کا منتظر  
رہا ہو اور کارٹر کی آمد اُسے گراں گزری ہو۔

وہ اُسے ٹولنے والی نظروں سے دیکھتا رہا لیکن کارٹر نے اُس سے کچھ کہے بغیر سب سے  
پہلے ایک ویٹر کو بلا کر گلاس طلب کیا اور پھر ٹونی کے چہرے پر نظر جمائے ہوئے بولا۔ ”میں تم  
میں کسی قسم کی تبدیلی محسوس کر رہا ہوں۔“

”اور میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ تم بہت کچھ کھو چکے ہو۔“ ٹونی نے اُس کے گلاس میں  
شراب انڈیل کر سائیفن سے سوڈے کی دھار مالتے ہوئے کہا۔ ”تم آخر اتنے دنوں سے تھے کہاں!“  
”میں..... اوہ.....!“ دفعتاً کارٹر خاموش ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ٹونی کو کیا بتائے کیا وہ  
اُسے یہ بتا دیتا کہ ایک گمنام آدمی نے اُسے چوہے دان میں بند کر رکھا تھا اور وہ کسی بے بس اور

وہ تھک ہار کر اپنے کمرے کی طرف واپس آیا لیکن کمرے میں قدم رکھتے ہی سارے جسم  
کے رونگٹھے کھڑے ہو گئے۔ کیونکہ سیاہ پوش خبیث کمرے کے وسط میں کھڑا چابک گھمار ہا تھا۔  
کارٹر کے حلق سے چند بے ہنگم سی آوازیں نکلیں اور وہ کہنے لگا۔ ”میرا نام جی کارٹر ہے۔  
میں گدھا ہوں مجھے ایک گدھی نے جنا تھا اور میرا باپ اُلو تھا۔ میرا نام.....!“  
”خاموش رہو۔“ سیاہ پوش غرایا۔

کارٹر خاموش ہو گیا اور سیاہ پوش نے کہا۔ ”تم انتہائی کوشش کرو تب بھی یہاں سے نہیں  
نکل سکتے۔“

اس نے جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی چابک ہلایا تھا مگر کارٹر نے بڑی پھرتی سے اس کا  
دار خالی دے کر پھر وہی بکواس شروع کر دی تھی۔

”خاموش رہو۔“ وہ پھر غرایا۔ ”اگر تم جانا چاہو تو جاسکتے ہو۔ اس وقت سوا آٹھ بجے ہیں  
لیکن تم ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے یہاں واپس آ جاؤ گے۔“

کارٹر نے ایک طویل سانس لی اور سوچنے لگا کہ میں ضرور واپس آؤں گا۔ خبیث کی  
اولاد۔ لیکن میری واپسی تمہارا بیڑا غرق کر دے گی۔

”میں واپس آ جاؤں گا۔“ کارٹر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”آنا ہی پڑے گا..... جاؤ۔“

”مگر باہر کتے۔“

”میں انہیں بلاؤں گا۔“

کارٹر کمرے سے نکل آیا۔ وہ صدر دروازے کی طرف جا رہا تھا۔ مگر وہ یہ سوچنے پر مجبور تھا کہ  
کہیں وہ بھی کسی قسم کا پاگل پن ہی نہ کر رہا ہو کیونکہ وہ اس سیاہ پوش کو صحیح الدماغ نہیں سمجھتا تھا۔  
جیسے ہی اُس نے صدر دروازے سے باہر قدم رکھا کتے بھاگتے ہوئے دوسری طرف چلے  
گئے۔ عمارت کے بائیں بازو سے سیٹی کی آواز آئی تھی۔ کارٹر گویا ہوا میں اڑتا ہوا پھانک تک  
پہنچا۔ اُسے نہیں معلوم کہ پورچ سے پھانک تک کا راستہ کیسے طے ہوا تھا۔

”میں سمجھتا بھی نہیں چاہتا۔“

ٹھیک اسی وقت کئی تیر کی طرح اُن کی میز کی طرف آئی۔

”اوہ تم بھی..... کہاں تھے۔“ وہ آتے ہی بولی۔

”آہ..... کئی..... ہاؤ ڈو یو ڈو۔“ کارٹر اٹھتا ہوا بولا۔

”بیٹھو جی۔ میرے خدا۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے ہم سالہا سال بعد ملے ہوں۔“

”تم بھی یہی محسوس کر رہی ہوتا۔“ ٹونی چپک کر بولا۔

”کیوں؟“ کئی اُسے گھورنے لگی اور وہ گڑبڑا کر بولا۔ ”مطلب یہ کہ جی کچھ بدلا بدلا سا

نظر آتا ہے۔“

”بس خاموش رہو۔“ کارٹر نے بُرا سامنہ بنا کر کہا اور ٹونی ہنسنے لگا۔

”ہاں تم کہاں تھے؟“ کئی نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ اس پر کارٹر نے اُسے ایک فرضی

داستان سنائی کہ وہ کس طرح ایک مالدار جواری کا تعاقب کرتا ہوا نصیر آباد تک گیا تھا اور اُسے

لوٹنے کی کوشش کی لیکن خود ہی بُری طرح لٹ گیا تھا۔ اُسے توقع تھی کہ وہ شاپنگ کر کے اس

جواری کا دیوالہ نکال دے گا لیکن خود ہی اس طرح ہارتا چلا گیا کہ آخر کار اُس کی جیب میں

پھوٹی کوڑی بھی نہ رہ گئی۔ بغیر پیسوں کے واپسی ناممکن تھی کیونکہ وہ ٹرین میں بغیر ٹکٹ سفر کرتے

ہوئے پکڑے جانا پسند نہیں کرتا۔ پھر اتفاق سے ایک دن ایک شناسا وہاں مل گیا۔ اس سے کچھ

روپے قرض لینے کے بعد واپسی ہوئی۔ ٹونی کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اُسے اس کہانی

پر یقین نہیں آیا۔ کارٹر نے اُسے محسوس کیا اور اپنا سامنہ بنا کر دوسروں کی طرف دیکھنے لگا۔

پھر وہ تقریباً گیارہ بجے تک وہاں بیٹھا رہا۔ جب کلاک نے گیارہ بجائے تو وہ کچھ بے

چین سا نظر آنے لگا۔ سیاہ پوش نے بڑے وثوق کے ساتھ کہا تھا کہ ہر حال میں واپس آنا

پڑے گا لیکن کارٹر نے اپنے بچاؤ کے لئے ابھی تک کچھ بھی نہیں کیا تھا۔ وہ کئی کی باتوں میں

الجھار ہاتھا، جو اُسے اپنی کسی نئی مہم کے لئے تیار کرنا چاہتی تھی۔

اچانک کارٹر کے حلق سے عجیب قسم کی آواز نکلی اور وہ اپنا داہنا بازو دبا کر رہ گیا۔ پھر ایسا

یتیم بچے کی طرح اس کی زیادتیوں پر بلبلاتا اور سسکیاں لیتا تھا؟ اس نے سوچا کہ وہ اپنے ہم

چشموں سے اس کا تذکرہ نہیں کر سکے گا۔ کبھی نہیں۔ اُس پراسرار آدمی سے نپٹنے کے لئے اُسے

کوئی دوسرا ہی طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔

”میں شہر میں نہیں تھا۔“ اُس نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”مگر میں کیا کھو چکا ہوں۔“

”بہت کچھ۔“ ٹونی نے ایک طویل سانس لی اور کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔ وہ کارٹر کی

آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

”مجھ سے پہیلیوں میں بات نہ کرو۔ ہو سکتا ہے میں جوئے میں کچھ ہار گیا ہوں۔ اس

کے علاوہ میں نے اور کچھ نہیں کھویا۔“

”ہو سکتا ہے۔“ ٹونی نے کہا اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

”لیکن میں تم میں بھی بڑی تبدیلیاں محسوس کر رہا ہوں۔“ کارٹر بولا۔

”یہ بھی ممکن ہے۔“ ٹونی نے پھر ایک لمبی سانس لی اور سیدھا بیٹھ کر اپنے گلاس میں

شراب اٹھیلنے لگا۔

”کیا میں یہاں سے اٹھ جاؤں۔“ کارٹر جھلا کر بولا۔

”کیوں؟“

”تمہارے رویے سے یہی ظاہر ہوتا ہے مگر میں اس تبدیلی کی وجہ ضرور پوچھوں گا۔ کیا

ہمارے درمیان کبھی کسی قسم کے تکلفات بھی روا رہے ہیں۔“

”اس کی وجہ میں تمہیں ضرور بتاؤں گا۔“ ٹونی مسکرایا۔ ”وجہ یہ ہے کہ ہمارا پیشہ اس بات

کی اجازت ہرگز نہیں دیتا کہ ہم اپنی ہم پیشہ عورتوں کے علاوہ کسی اور قسم کی عورتوں سے بھی تعلق

رکھیں۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”اب یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔“

”اچھی بات ہے۔“ کارٹر میز پر دونوں ہاتھ ٹیک کر اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

معلوم ہونے لگا جیسے وہ اپنا کوٹ اتار پھینکے گا۔ مگر وہ صرف بٹن ہی کھول کر رہ گیا کیونکہ اب اسے اچھل کر اپنا داہنا بازو دالینا پڑا تھا اور پھر اس کے حلق سے ایک ہلکی سی چیخ نکلی تھی۔

”کیا بات ہے۔“ کئی اور ٹوٹی نے یک وقت سوال کیا۔

”کک..... کچھ نہیں..... اوہ۔“ وہ داہنا شانہ دبا کر دہرا ہو گیا۔

”میں جاؤں گا۔“ وہ اٹھتا ہوا بولا اور پاگلوں کی طرح دوڑتا ہوا بار سے باہر آیا۔ اب وہ

پھر گوہن اسٹریٹ میں داخل ہو رہا تھا اور گوہن اسٹریٹ سے ڈریک روڈ پر آیا۔ اس کا رخ ہیویشام لاج کی طرف تھا اور ایک بار پھر وہ اسی طرح دوڑ رہا تھا جیسے ملک الموت تعاقب میں ہو۔

## دوسرا اُلُو

فریدی نے کتاب میز پر ڈال دی اور بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔ حمید تقریباً پانچ یا چھ منٹ سے اس کے قریب ہی موجود تھا لیکن فریدی نے ایک بار بھی اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ حالانکہ حمید کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس سے کوئی ضروری بات کہنا چاہتا ہے۔ فریدی اٹھ کر کھڑکی کے قریب چلا گیا۔ حمید نے نکھار کر گلا صاف کیا اور بولا۔ ”میں نے کہا۔ آج اتوار ہے اور دوسرے اتوار کے ملنے پر پھر سات دن انتظار کرنا پڑے گا۔“

”پھر.....؟“ فریدی نے کھڑکی سے مڑے بغیر کہا۔ وہ باہر عقبی پارک میں دیکھ رہا تھا۔

”پھر کیا! اب ہم نیا گرہ نہیں جاسکیں گے۔“

”آہا..... ٹھیک ہے۔ آج ہم وہاں رسلنگ دیکھنے جا رہے ہیں۔“

”نہیں جاسکیں گے۔“ حمید نے مردہ سی آواز میں کہا۔

”کیوں؟“

”ڈرائنگ روم میں ایک دوسرے اُلُو کی بیوی موجود ہے۔“

”کیا مطلب.....!“ فریدی مڑا۔

”اس نے بھی بالکل ویسی ہی داستان سنائی ہے جیسی اس دن لیڈی شمشاد نے سنائی تھی۔“

”اوہ..... مگر وہ کون ہے۔“

”کرئل اسمتھ کی بیوی۔“

”ارے ٹال دو۔“ فریدی نے کہا۔

یہ چیز حمید کے لئے غیر متوقع تھی کیونکہ فریدی نے آج تک کسی غرض مند کو ٹالا نہیں تھا۔

”اس وقت نہ میں کسی سے مل سکوں گا اور نہ نیا گرہ ہی جاسکوں گا۔“ فریدی سگار کو کھڑکی

کے باہر پھینکتا ہوا بولا۔ ”اس کی داستان سن ہی چکے ہو۔ لہذا تم بھی اس کی مدد کر سکو گے۔“

”یہاں اُلُو بہت کم پھنتے ہیں۔ ویسے اس وقت تک شاید پھنس بھی جاتا جب تک کرئل

اسمٹھ اُلُو تھا۔ اب تو بہت دیر ہو گئی۔ اب وہ اُلُو نہیں ہے۔ اس لئے وہ پور بھی ہو رہا ہے اور اس

کی صحت بھی خراب ہوتی جا رہی ہے۔“

”اچھا! بس ختم کرو۔ اس سے کہہ دو کہ میں بہت مشغول ہوں۔ ایک ہفتے سے پہلے نہیں

مل سکوں گا۔“

”مگر آپ کا یہ رویہ۔“

”تمہارے لئے نیا ہے مگر تم اس کی فکر نہ کرو۔ جاؤ۔“

آج کل اس کی فرصت کے لئے عموماً لائبریری ہی میں گذرتے تھے ورنہ اس سے پہلے اکثر وہ اور نیلم بلیر ڈیا پنک یا پنک بھی کھیل لیا کرتے تھے۔

حمید کچھ دیر بعد واپس آ گیا اور فریدی نے پھر کتاب میز پر ڈال دی۔ سگار کے ڈبے

سے ایک سگار منتخب کر کے اس کا گوشہ توڑتے ہوئے اس نے کہا۔ ”کیا تم کئی پرکس سے

واقف ہو۔“

”پرکئی۔“ حمید نے حیرت سے دہرایا۔

”کئی پرکس.....!“ فریدی نے ”پرکئی“ نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

کرتا۔ نڈل کر آپ نے انہیں ہوشیار کر دیا۔“

”ضروری نہیں ہے کہ ہر کس میں میرا لائحہ عمل یکساں ہو۔ کبھی میں مجرموں کو اپنے دھوکے میں رکھتا ہوں اور کبھی خود ہی دھوکے کھاتا ہوں۔ لیکن آخر اس سے مل لینے پر کیوں مصر تھے۔“

”اُس کی آنکھیں مجھے بہت اچھی لگی تھیں۔ لہذا میں نے سوچا کہ اُن کے متعلق آپ کی رائے بھی معلوم کر لوں۔ کیا حرج ہے۔“

”دفع ہو جاؤ۔“ فریدی نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ حمید باہر چلا آیا۔ اُس نے کرنل اسمتھ کی بیوی کو ناٹال ضرور دیا تھا لیکن اُس سے وعدہ کر لیا تھا کہ وہ اُس سے ضرور ملے گا اور اطمینان سے ان معاملات پر غور کرے گا۔ بعد کوئی مناسب قدم اٹھائے گا۔ ہوٹل ڈی فرانس میں ملنے کی بھڑکی تھی۔ حمید نے نیلم سے تذکرہ نہیں کیا تھا ویسے وہ اس وقت کوٹھی ہی میں موجود تھا جب کرنل اسمتھ کی بیوی ڈرائنگ روم میں اس سے گفتگو کر رہی تھی۔ کرنل اسمتھ کی بیوی میں حمید کو سرخاب کے پر نہیں نظر آئے تھے۔ بات صرف اتنی سی تھی کہ وہ کرنل اسمتھ سے اچھی طرح واقف تھا لیکن یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ خزانہ اتنی جوان بیوی رکھتا ہوگا۔ اُسے بوڑھوں کی نو جوان بیوی سے مل کر ہمیشہ بڑی خوشی ہوتی تھی اور وہ ایسے مواقع پر خدا کا شکر ادا کرتا تھا کہ نو جوان مردوں میں بوڑھیوں سے شادی کرنے کا رجحان نہیں پایا جاتا۔ ورنہ نہد سے لحد تک ”آغوشِ مادر“ کے علاوہ اور کسی قسم کا ماحول نصیب نہ ہو سکتا۔

ٹھیک آٹھ بجے وہ ہوٹل ڈی فرانس میں نظر آیا لیکن شاید مسز اسمتھ ابھی نہیں آئی تھی۔ وہ وقت گزارنے کے لئے ملیئرڈ روم میں چلا گیا۔ یہاں اُس کے کئی شناسا بلیرڈ کھیل رہے تھے جنہوں نے اس کی آمد پر مسرت کا اظہار کیا۔ باغ و بہار قسم کے آدمیوں کی صحبت تو سبھی چاہتے ہیں مگر حمید یہاں پندرہ منٹ سے زیادہ نہیں رکتا چاہتا تھا۔

پندرہ منٹ بعد وہ پھر ڈرائنگ ہال میں تھا اور کئی پرکس یعنی کرنل اسمتھ کی بیوی بھی اب وہاں موجود تھی اور وہ وہاں پندرہ منٹ لیٹ پہنچی تھی۔ حمید نے یہی ظاہر کیا کہ وہ اکثر وہاں سرشام ہی آ جاتا ہے اور کافی رات گئے تک رہتا ہے۔

”شاید۔ میں نے یہ نام کسی سلسلے میں پہلے بھی سنا ہے۔“

”صرف نام ہی سنا ہوگا ورنہ اس وقت تم کرنل اسمتھ کی بیوی کہنے کے بجائے کئی پرکس ہی کہتے۔“

”اوہ..... تو کیا اس کا نام کئی پرکس تھا۔“

”ہاں۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم نے کئی پرکس کے متعلق کیا سنا ہے۔“

”غالبا یہ کہ وہ ایک فراڈ ہے۔“

”بہت کم سنا ہے تم نے۔ بہر حال اب وہ مالدار آدمی کی بیوی ہے لیکن اس کے باوجود شہر کے بد معاشوں کی محبوبہ بننے میں فخر محسوس کرتی ہے۔“

”محبوبہ ہر حال میں محبوبہ ہوتی ہے خواہ وہ کسی کی بیوی ہو یا نہ ہو اور محبوبائیں عموماً بد معاش ہی رکھتے ہیں۔ شریفوں میں تو بیوی رکھنے کی بھی ہمت نہیں ہوتی۔“

”غیر متعلق باتیں نہ چھیڑا کرو۔“ فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

”ہام..... تو آپ اُس سے اس لئے نہیں ملے کہ وہ کرنل اسمتھ کی بیوی ہونے کے ساتھ ہی ساتھ بد معاشوں کی محبوبہ بھی ہے۔“

”نہیں..... بلکہ وہ بھی الو کی کہانی لے کر آئی تھی اور حمید صاحب یہ دوسری نہیں بلکہ آٹھویں عورت تھی۔ میں اس سے پہلے سات کیسز نوٹ کر چکا ہوں۔ یہ آٹھواں کیس ہے۔“

”وہ آٹھواں کیس نوٹ کرنا آپ نے مناسب نہیں سمجھا۔“

”تم سوچنے کی عادت ڈالو۔“ فریدی نے پھر کتاب اٹھاتے ہوئے کہا۔ ”شاید تم کرنل اسمتھ سے بھی اچھی طرح واقف نہیں ہو۔“

”میں جانتا ہوں کہ وہ ایک پرانا سازشی ہے۔“ حمید نے کہا اور چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔ ”آہ تو آپ کا خیال یہ ہے کہ ان حرکتوں میں خود کرنل اسمتھ کا بھی ہاتھ ہو سکتا ہے۔“

”خیر..... کچھ تو سمجھ۔“

”میں کچھ بھی نہیں سمجھا۔ اگر آپ اُس سے ملے ہوتے تو البتہ میں کچھ سمجھنے کی کوشش

سزا سمجھ نے پھر اپنی پریشانیوں کی داستان چھیڑ دی اور حمید بولا۔

”میں کرنل اسمتھ کو عرصہ سے جانتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ وہ تم سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہے۔“  
 ”کیوں؟“

”کیا یہ ایک مضحکہ خیز ڈھونگ نہیں ہے جسے دنیا کی کوئی سنجیدہ عورت نہیں برداشت کر سکتی۔“

”میں نہیں سمجھی۔“

”میں کرنل اسمتھ کے متعلق کوئی اچھی رائے نہیں رکھتا۔“

”اور میرے متعلق؟“ کئی مسکرائی۔

”تم..... تم بہت اچھی ہو۔“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا اور کئی ہنسنے لگی۔ پھر اُس نے کہا۔ ”کیپٹن ذرا اپنے یہاں کئی پرکس کا فائل ضرور دیکھنا۔ گو پولیس آج تک میرے خلاف کوئی ثبوت بہم نہیں پہنچا سکی۔ پھر بھی آپ کا حکم میرا فائل رکھتا ہے۔“

”اوہ..... تو تم وہ کئی ہو۔ میں نے تمہارے متعلق صرف سنا تھا۔ فائل آج تک نظر سے نہیں گذرا۔“

”کرنل اسمتھ بھی ایسے ہی آدمیوں میں سے ہے، جس کا فائل آپ کے محکمے میں ضرور ہوگا۔ لہذا کہنے کا مطلب یہ کہ وہ مجھ سے پیچھا چھڑا کر کیا کرے گا۔“

”تب تو وہ بچ بچ اُلو ہے۔“

”تم میرے سامنے میرے شوہر کی توہین نہیں کر سکتے۔“

”کیا کرو گی تم۔“

”نیزالٹ دوں گی۔ زیادہ سے زیادہ تم مجھ پر دعویٰ کرو گے میں عدالت میں معافی مانگ لوں گی۔“

حمید ہنسنے لگا اور کئی نے اُس کا ساتھ دیا مگر پھر جلد ہی وہ اصل موضوع پر آ گئی۔

”نبتاؤ۔ میں کیا کروں۔ جی بہت خوفزدہ ہے۔ بہت زیادہ۔ مگر وہ کچھ بتاتا نہیں۔ بس روز

بروز اس کی صحت گرتی جا رہی ہے۔“

دفعۃ حمید نے محسوس کیا کہ وہ کچھ مضطرب سی نظر آنے لگی ہے۔ مگر شاید موضوع گفتگو اس کی بے چینی کا باعث نہیں تھا کیونکہ اس کی نظر ایک سمت اٹھی ہوئی تھی اور اس کے چہرے پر اضطراب کروٹیں لے رہا تھا۔

پھر یک بیک وہ اٹھ گئی۔ حمید نے دیکھا کہ ایک میز سے ایک بھاری جبرے والے آدمی نے اُسے اشارہ کیا تھا۔

”اچھا تو کیپٹن خیال رکھنا۔ میں بے حد مشکور ہوں گی۔“ اس نے کہا اور آگے بڑھ گئی۔

حمید کو بڑا غصہ آیا۔ گویا وہ یہی ایک جملہ سننے کے لئے گھر سے یہاں تک دوڑا آیا تھا۔ بس وہ شربت کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ خون کے گھونٹ تو اس وقت کہلاتے جب اُسے فوراً ہی ایک گلاس ٹھنڈا پانی دستیاب ہو جاتا۔

اس نے دیکھا کہ بھاری جبرے والا بھی اپنی میز سے اٹھ گیا ہے۔ کئی آگے تھی اور وہ اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ مگر وہ دونوں خود کو ایک دوسرے سے بے تعلق ظاہر کرنے کی کوشش نہیں کر رہے تھے۔ اگر وہ ایسا کرتے تو حمید کی رگ تجسس ضرور پھڑکتی لیکن اس وقت تو وہ اس کے بغیر ہی اُن دونوں کا تعاقب کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔

وہ آیا بھی ٹیکسی ہی میں تھا لہذا تعاقب کے لئے بھی ٹیکسی ہی لینی پڑی۔



جی کارڈ قفل کے سوراخ سے دوسرے کمرے میں جھانک رہا تھا۔ اُس طرف متوجہ ہونے کی محرک چابک کی شائیں شائیں بنی تھیں۔

”دوسرے کمرے میں اُسے سیاہ پوش نظر آیا۔ حسب دستور چابک اُس کے ہاتھ میں موجود



تھا اور ایک آدمی اُس سے تھوڑے ہی فاصلے پر کھڑا آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہا تھا۔ کبھی کبھی سیاہ پوش کا چابک اس کی طرف پلکتا اور وہ کسی بندر کی طرح اچھل کود کر خود کو بچانے کی کوشش کرتا لیکن وہ جو کچھ بھی کہہ رہا تھا چابک کی ”شائیں شائیں“ کے باوجود بھی کہتا رہا۔ البتہ چابک سے بچنے کے لئے اچھلتے وقت اس کی آواز کچھ بلند ضرور ہو جاتی تھی۔

کارٹر اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔ وہ کم تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود بھی لاطینی سمجھ سکتا تھا۔ مگر اس خبیث کارنامہ ابھی تک اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

یہاں اُسے بہترین غذائیں ملتی تھیں۔ نفیس قسم کی پرنگلی شراہیں اُس کا دماغ گرماتی تھیں۔ تفریح کے لئے لڑکیاں بھی تھیں لیکن دن میں کم از کم تین بار اس خبیث کے چابک سے ضرور سابقہ پڑتا تھا اور چابک کی شائیں شائیں کے درمیان اُسے بار بار اعتراف کرنا پڑتا تھا کہ اس کی ماں گدھی تھی اور باپ الو۔

اس کا مقصد سمجھنے کے لئے گھنٹوں غور کرتا اور تنگ آ کر اپنے بال نوچنے لگتا۔ کپنی کی رگیں پھٹتی ہوئی سی محسوس ہوئیں اور اس کا دل چاہتا کہ دیوار سے سر ٹکرا دے۔ وہ ایک کچوے کی طرح بے بس تھا۔ وہ اپنے پچھلے کارنامے یاد کرتا اور سر دھنسا۔ نہ جانے کیسے کیسے جیالوں کے اس نے چھکے چھڑائے تھے مگر سیاہ پوش خبیث یہ اسے اس دنیا کا آدمی تو ہرگز نہیں معلوم ہوتا تھا۔ کاش وہ ایک ہی بار اُس پر قابو پاسکتا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے قفل کے سوراخ سے اپنی آنکھ ہٹالی کیونکہ وہ دونوں اب اس کمرے سے چلے گئے تھے۔

دفعۃً وہ چونک کر اپنی پشت والے دروازے کی طرف مڑا۔ وہی لڑکی کھڑی مسکرا رہی تھی جس کے چکر میں وہ مکڑی کے اس جالے میں آ پھنسا تھا۔

”ہلو جی کارٹر۔ ہاؤ ڈو یو ڈو۔“ لڑکی نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ ”تاک جھانک آ“

عادت بُری کہلاتی ہے؟“

”بُرے آدمیوں میں بھی۔“ کارٹر کا لہجہ تلخ نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ تلخیوں کا اظہار

حالات کو سازگار ہونے میں مدد نہیں دے گا۔ لہذا وہ اس ماحول میں خود کو زیادہ سے زیادہ خوش ظاہر کرنا چاہتا تھا۔

”تمہاری حالت اب پہلے سے بہتر ہے۔“

”ہاں بہت بہتر۔“ کارٹر نے اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ اس وقت سرخ بلاؤز اور زرد اسکرٹ میں بہت حسین لگ رہی تھی۔ کارٹر اُسے دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”آج تو ایسا لگ رہا ہے جیسے تم مجھے کہیں لے جاؤ گی۔“

”چلو گے۔“ وہ دلاویز انداز میں مسکرائی۔

”سر کے بل گریشی۔ تمہارے ساتھ تو میں جہنم میں بھی چھلانگ لگا سکتا ہوں۔“

”چلو۔ آج ہم کسی بہترین تفریح گاہ میں چلیں گے لیکن جب میں کہوں تو واپسی کے لئے تیار ہو جانا ورنہ نتیجے کے خود ذمہ دار ہو گے۔“

”میں اُس سے پہلے بھی نتیجے کا ذمہ دار ہو چکا ہوں۔ آج بھی کبھی کبھی میرے جسم کے بعض حصوں میں چیخیں ہی ہونے لگتی ہے۔“

”کیا مطلب! میں نہیں سمجھی۔“

”ایک رات اس صورت حرام نے مجھے باہر جانے کی اجازت دی تھی اور کہہ دیا تھا کہ میں ساڑھے گیارہ بجے واپس آ جاؤں لہذا میں یہاں سے نکل کر ایک بار میں جا بیٹھا۔ وہاں چند دوست مل گئے اور میں یہ بھول گیا کہ مجھے ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے یہاں واپس آنا ہے۔ اچانک میں نے اپنے داہنے بازو میں تیز قسم کی چیخ محسوس کی پھر بائیں بازو میں۔ پھر گردن میں پھر ران میں۔ غرضیکہ میں پاگل ہو گیا اور کسی پاگل کتے کی طرح ہیویشام لاج کی طرف بھاگ نکلا۔“

گریشی ہنسی رہی اور کارٹر بھی ہنستا رہا۔ وہ خود کو ٹھنڈا رکھنے کیلئے کافی جدوجہد کر رہا تھا۔

”پھر کیا ہوا۔“ گریشی نے پوچھا۔

”پھر جب میں یہاں آیا تو ان حصوں کو ٹٹول کر دیکھا جہاں تیز قسم کی چیخیں ہو رہی تھیں۔“

میرے خدانہ جانے کتنی چیخیں اُس وقت میرے حلق سے نکلی تھیں۔ وہ باریک سونیاں تھیں جو ان حصوں میں چھپی ہوئی تھیں۔

”نہیں!“ گریٹی کے لہجے میں حیرت تھی۔ ”یہ نہیں وہ حقیقتاً متحیر تھی یا یہ بھی تصنع ہی تھا۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ ”وہ بہت خطرناک آدمی ہے۔ میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تم سے ایک زبردست حماقت سرزد ہوئی ہے۔ تمہیں ادھر کا رخ ہی نہ کرنا چاہئے تھا جو یہاں آ کر پھنسا پھر وہ کبھی نہیں نکل سکتا۔“

”مقصد۔ گریٹی خدا کے لئے مجھے بتا دو۔ اس کا مقصد کیا ہے۔ ورنہ شائد میں پاگل ہو جاؤں۔“

”تم پاگل نہیں ہو سکو گے۔ اس کا ذمہ میں لیتی ہوں۔ مطمئن رہو۔“ گریٹی نے مسکرا کر کہا۔ ”کیونکہ میں نے ابھی تک کسی کو پاگل ہوتے نہیں دیکھا۔ وہ آج بھی چابک کی چوٹیں سہتے ہیں لیکن نہ تو انکے ہاتھ اس پر اٹھتے ہیں اور نہ وہ کبھی کسی قسم کا پاگل پن ہی ظاہر کرتے ہیں۔“

”تب پھر وہ مقصد سے واقف ہو گئے ہوں گے۔“ کارٹر نے کہا۔

”یہ نہیں۔“

”اچھا تم مجھے کہاں لے چلو گی۔“

”جہاں تم کہو۔ آج کی رات مجھے بڑی حسین لگ رہی ہے۔“

”چلو پھر باہر ہی نکل کر ہم فیصلہ کریں گے کہ ہمیں کہاں جانا ہے۔“

وہ باہر آئے۔ یہاں ایک شاندار گاڑی موجود تھی۔ گریٹی ڈرائیو کرنے لگی۔ کارٹر اس کے ساتھ ہی اگلی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ گریٹی کا گلا گھونٹ کر خود کا ڈرائیو کرنا شروع کر دے۔ ممکن ہے اسی طرح اس جال سے گلو خلاصی نصیب ہو جائے۔ مگر... گریٹی... کیا وہ گریٹی کا گلا گھونٹ سکتا ہے۔ کبھی نہیں۔ اس کی خوب صورت گردن کی طرف بڑھے ہوئے ہاتھ کانپ کر رہ جاتے اور خفت کے علاوہ اور کچھ ہاتھ نہ آتا۔

وہ اس الجھن سے چھٹکارا پانے کے لئے بڑبڑایا۔ ”ہائی سرکل ٹائٹ کلب۔“

”وہیں چلو۔ ہاں اچھی جگہ ہے۔“

وہ ہائی سرکل ٹائٹ کلب میں آئے۔ یہاں حسب معمول رونق ہی تھی۔ انہوں نے دو دو شیراز کی کاک ٹیل لئے اور پھر ریکریشن ہال میں چلے آئے۔ دونوں طرف کی گیلریاں بھری ہوئی تھیں، لیکن اکثر میزیں اب بھی خالی پڑی تھیں۔ آرکسٹرا ساز بجا رہا تھا، لیکن ابھی رقص میں دیر تھی۔

”بیٹھو...!“ گریٹی ایک میز کے قریب کرسی کھینچتی ہوئی بولی۔

وہ اس وقت تک ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے، جب تک کہ رقص کے لئے موسیقی نہیں شروع ہو گئی۔ پھر ایک راؤنڈ بھی ہو گیا اور پہلے راؤنڈ کے اختتام پر جب وہ گیلری کی طرف واپس جا رہے تھے کارٹر کی نظر کئی پرکنتس پر پڑی اور وہ بڑی طرح بوکھلا گیا۔ کئی اُسے خونخوار نظروں سے گھور رہی تھی اور کئی کے ساتھ بھاری جبرے والا ٹونی بھی تھا۔ کارٹر سمجھ گیا کہ ان دونوں ٹونی کئی کو اس کے خلاف بھڑکاتا رہا ہے، اور اب اُسے وہ گفتگو یاد آئی، جو ان کے درمیان ایک رات گریٹج بار میں ہوئی تھی۔ وہ چپ چاپ گریٹی کے ساتھ اپنی میز پر واپس آ گیا۔

کئی کے تیز کہہ رہے تھے کہ وہ اسی وقت کوئی نہ کوئی حرکت ضرور کر بیٹھے گی۔ مگر یک بیک کارٹر بے حد خوش نظر آنے لگا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ یہ دونوں ہیوٹام لاج تک ان کا تعاقب ضرور کریں گے۔

## اندھیرا

حمید کئی اور بھاری جبرے والے کا تعاقب کرتا ہوا ہائی سرکل ٹائٹ کلب تک آیا تھا۔ یہاں اس کی نظروں کی پہنچ انہیں دونوں کے ذریعہ ایک بے حد حسین لڑکی تک ہوئی۔ یہ کوئی یورپین تھی اور اس کے ساتھ ایک یوریشین نوجوان تھا۔ یہ دونوں کئی اور بھاری جبرے والے کی



”آپ کو کوئی حق حاصل نہیں کہ میری نجی معاملات میں دخل انداز ہو سکیں۔“  
 ”ہاں۔ یہ تو صحیح ہے لیکن دنیا کی ہر خوبصورت عورت پر میں اپنا حق جتانے کے لئے آزاد ہوں۔ لہذا اب تم اسے اس طرح نہیں گھور سکتیں۔“  
 ”آپ خواہ مخواہ بے تکلف ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔“  
 ”ظاہر ہے کہ کوشش کئے بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ تکلف کیلئے بھی کوشش ہی کرنی پڑتی ہے۔“

”میں نے اس وقت آپ کو اپنے ساتھ بیٹھنے کی دعوت نہیں دی۔“  
 ”میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ دنیا کی ہر خوبصورت عورت پر اپنا حق جتانے کیلئے میں آزاد ہوں۔ تم بھی اس لڑکی سے کم حسین نہیں ہو۔“ حمید قربان ہو جانے والے انداز میں مسکرایا۔  
 ”خدا کے لئے مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔“

”تو میں اپنے حال پر کب چھوڑ رہا ہوں۔ تم آخر اتنی پریشان کیوں ہو۔ کیا تمہارے شوہر کے الو پن سے اس لڑکی کا بھی کچھ تعلق ہے۔“

”اب کیا میں چیخ کر کہوں کہ یہاں سے اٹھ جاؤ۔“  
 ”ایسے مواقع پر عموماً اونچا سننے لگتا ہوں۔ لیکن مجھے کوئی بھی پاگل نہیں سمجھتا۔“  
 ”میں نے یہ عذاب اپنے پیچھے کیوں لگالیا۔“ کٹی برا سامنہ بنا کر بڑبڑائی۔  
 ”ہاں اس پر تمہیں سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے۔ مگر اس وقت نہیں۔ آہا۔ دوسرا راؤنڈ شروع ہونے والا ہے۔ کیا تم میرے ساتھ ناچنا پسند کرو گی۔“  
 کٹی کچھ نہ بولی۔ مگر یک بیک اس کے چہرے سے الجھن اور غصے کے آثار غائب ہو گئے تھے۔

”میں اسے برا بھی نہیں سمجھتی۔“ وہ کچھ دیر بعد مسکرا کر بولی۔  
 ”گڈ۔۔۔۔۔ تو تم کیا پیو گی۔ جلدی بتاؤ۔“  
 ”جو تم پیتے ہو۔“

توجہ کا مرکز بنے ہوئے تھے۔ حمید نے کٹی کی آنکھوں میں کینہ اور نفرت کی جھلک دیکھی۔ کٹی اپنے ساتھی سے آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہی تھی۔ حمید ان دونوں سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا اور شاید دو ایک بار کٹی نے اُسے دیکھا بھی تھا لیکن اس کے انداز سے ایسا نہیں معلوم ہو رہا تھا کہ اس نے اس کی پرواہ کی ہو۔ مگر اب حمید کو کٹی یا اس کے ساتھی سے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی تھی۔ وہ تو اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا جس کیلئے اس نے کٹی کی آنکھوں میں نفرت اور غصے کی جھلک دیکھی تھی۔ پھر کچھ دیر بعد اس نے لڑکی کے ساتھی کی طرف توجہ دی۔ وہ کچھ زور سے سا نظر آ رہا تھا اور حمید نے یہ بھی محسوس کیا کہ وہ کٹی سے نظریں چرانے کی کوشش کر رہا ہے۔

تو کیا حمید ایسی جگہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا رہتا۔ وہ بڑی بے تکلفی سے آگے بڑھا اور سیدھا اسی میز کی طرف چلا گیا جہاں کٹی اپنے ساتھی سمیت بیٹھی ہوئی تھی۔  
 اس نے کرسی کھسکا کی اور نہایت اطمینان سے بیٹھ گیا۔ اب بھاری جبرے والا زور سے نظر آنے لگا۔

”کیوں کیپٹن۔“ کٹی نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔  
 ”تم اس طرح یک بیک اٹھ کر وہاں سے چلی آئی تھیں اور مجھے بے حد غصہ آیا تھا۔“  
 ”پھر کیا کرتی۔“  
 ”کچھ بھی کرتیں لیکن یہ نہ کرنا چاہئے تھا۔ کیا تم نے گھر سے ہوٹل ڈی فرانس۔“  
 ”پلیز کیپٹن۔“ وہ جلدی سے بولی۔ ”میرا یہاں آنا بھی ضروری تھا۔“  
 ”ایسی صورت میں وجہ ضرور پوچھوں گا۔ جب کہ تم مجھے اپنے متعلق سب کچھ بتا چکی ہو۔“  
 ”اور اگر میں وجہ نہ بتاؤں تو۔“ کٹی مسکرائی اور اس کا ساتھی اٹھتا ہوا بولا۔ ”اچھا اب میں جاؤں گا۔“

کٹی نے اُسے روکا نہیں اور وہ اس سے مصافحہ کئے بغیر رخصت ہو گیا۔  
 ”کیا قصہ ہے۔“ حمید نے آہستہ سے پوچھا۔ ”تم اس لڑکی کو بڑی قہر آلود نگاہوں سے گھور رہی ہو۔“

”میں تو کافی یا پانی کے علاوہ اور کچھ نہیں پیتا۔ لیکن تم جیسی حسین ساتھیوں کے لئے شراب ضرور مہیا کر سکتا ہوں۔“

”تمہارے پیشے کے لئے یہ بہت اچھا ہے کہ تم شراب نہیں پیتے۔“

”کیا بیوگی۔“

”سکاج۔“

حمید نے ایک ویٹر کو بلا کر اسکاچ کے بڑے پگ کا آرڈر دیا۔

”تم آخر چاہتے کیا ہو۔“ کئی نے پوچھا۔

”فی الحال اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہ تم میری ہم رقص بن جاؤ۔“

”محکمہ پولیس مجھے اچھی نظروں سے نہیں دیکھتا۔“

”میں محکمہ پولیس نہیں ہوں۔“

اسکاچ آگئی اور کئی اس پر اس طرح ٹوٹ پڑی جیسے برسوں سے پیاسی رہی ہو۔ حمید نے

اس انداز میں اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی جیسے وہ اس دعوت پر مطمئن ہو۔

ویٹرمیز کے س سے ہٹ ہی رہا تھا کہ حمید نے دوسرے پگ کے لئے بھی کہہ دیا۔ پھر پہلا گلاس ختم ہونے سے پہلے ہی دوسرا گلاس بھی موجود تھا۔

کئی نے اُسے ی خالی میز پر رکھتے وقت رومال سے اپنے ہونٹ خشک کئے اور ایک ٹھنڈی سانس لے لی؟ الی ہوئی آواز میں بولی۔ میں بہت مغموم ہوں کیپٹن۔ آدمی اور کتے میں کوئی فرق نہیں۔ مگر آؤں احسان فراموش بھی ہوتا ہے۔

”اسلئے مجھے تو قہ ہے کہ یہ دونوں پگ ہمیشہ تمہیں یاد رہیں گے۔“ حمید نے مسکرا کر کہا۔

”کیوں؟“ وہ اے نشلی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

”کیا تمہیں اس وقت ان کی ضرورت نہیں تھی۔“

”بے حد۔“ وہ اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر مسکرائی تھی۔

اور حمید کے دیوتا کوچ کر گئے کیونکہ وہ ایک بے جھک اور تقریباً فاحشہ قسم کی عورت تھی۔

اس نے جلدی سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور جیب سے پائپ نکال کر اس میں تمباکو بھرنے لگا لیکن اسی دوران میں رقص کے لئے موسیقی بھی شروع ہو گئی اور حمید نے پائپ سلگانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ وہ اس عورت کے ساتھ ہر حال میں ناچنا چاہتا تھا محض اس لئے کہ کرنل فریدی نے اس سے ملنے سے انکار کر دیا تھا اور وہ ایسی عورت تھی جو فریدی کے لئے ایک کیس کے سلسلے میں آٹھویں اطلاع لائی تھی۔ حمید جانتا تھا کہ وہ اس وقت شدت سے شراب کی ضرورت محسوس کر رہی ہے۔ اس لئے اس نے شراب کا آرڈر دینے میں جلدی کی تھی۔ اس کا یہ انداز بھی صحیح نکلا کہ ذہن پر شراب کا اثر ہوتے ہی وہ اس سے کھل جائے گی۔

دونوں چوبلی فرش پر آگئے مگر حمید کی نظر اُسی جوڑے پر تھی۔ کئی نے کہا کہ وہ بہت اداس ہے اور اس کا دل چاہتا ہے کہ چیخ چیخ کر رونا شروع کر دے۔

”ہرگز نہیں۔ تمہیں صبر کرنا چاہئے۔ کیا اس کا ساتھی کبھی تمہارا محبوب بھی رہ چکا ہے۔“

حمید نے کہا۔

”آہ..... کیپٹن میں اس وقت انگاروں میں لوٹ رہی ہوں۔“

”تم میری تو ہین کر رہی ہو۔“

”کیوں؟“

”تم انگاروں میں نہیں لوٹ رہی بلکہ میرے ساتھ ناچ رہی ہو۔“

”میری مدد کرو کیپٹن۔“

”یقیناً..... میں پتہ لگاؤں گا کہ اس کو کس نے آلو بنایا ہے۔“

”اُسے جہنم میں جھونکو۔“

”پھر.....؟“

”میں کارٹر کو بنے حد چاہتی ہوں لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ وہ کس طرح اس لڑکی کے

ساتھ.....!“

”اوہ تو اس کا نام کارٹر ہے۔“

”جی کارٹر۔“

”شاید یہ نام بھی میرا سنا ہوا ہے۔“

”یقیناً ایسا ہی ہوگا۔ کارٹر بھی مطلب یہ کہ کوئی شریف آدمی نہیں ہے۔ یعنی وہ پولیس کے ریکارڈ میں ضرور ہوگا۔“

”کیا وہ جانتا ہے کہ تم نے کرنل اسمتھ سے شادی کر لی ہے۔“

”نہیں۔ وہ مجھے صرف اپنی ہم پیشہ سمجھتے ہیں۔ وہ کبھی میرے گھر پر نہیں گئے۔“

”تم کئی آدمیوں کا تذکرہ کر رہی تھیں۔“

”دو آدمیوں کا۔ جی کارٹر اور ٹونی۔ وہ جو ابھی میرے ساتھ تھا ٹونی ہے۔ کارٹر اور ٹونی

عموماً شرکت کا بزنس کرتے ہیں۔“

”آہا تو اس بزنس میں تمہاری کیا پوزیشن ہے۔“

”میرا مذاق نہ اڑاؤ کیپٹن۔“

اچانک سارے ہال میں اندھیرا ہو گیا۔ لوگ شور مچانے لگے۔



اس اندھیرے میں کارٹر نے محسوس کیا کہ گریشی اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف لے جا رہی ہے۔

”کیوں کیا بات ہے؟“ کارٹر نے آہستہ سے پوچھا۔

”کچھ نہیں چلو۔ میں اپنے بازوؤں میں جھپٹ کر رہی ہوں۔“

”اوہ..... اچھا.....!“

کارٹر اس کے ساتھ کھینچا چلا گیا۔ باہر کپاؤنڈ میں بھی اندھیرا ہی تھا۔ وہ اس طرف آئے

جہاں کاریں پارک کی جاتی تھیں۔

”مارچ ہے تمہارے پاس۔“ کارٹر نے پوچھا۔

”نہیں مجھے یاد ہے کہ میں نے گاڑی کہاں کھڑی کی تھی۔“

کارٹر نے سگریٹ لائٹر روشن کر لیا۔ وہ کار میں بیٹھنے اور کار کپاؤنڈ سے باہر نکل آئی۔ باہر سڑک کے بلب روشن تھے۔ اس لئے یہی کہا جاسکتا ہے کہ صرف کلب ہی کے برقی نظام میں کوئی خلل واقع ہوا تھا۔

”کیوں نہ کہیں رک جاؤ اور میں تمہارے جسم سے سویاں نکال دوں۔“

گریشی ہنس پڑی۔ روادگی کے وقت اس نے کار کا اندرونی بلب روشن کر لیا تھا۔ کارٹر نے اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار نہیں دیکھے۔ وہ اس سلسلے میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ گریشی خود ہی بول پڑی۔ ”زندگی میں ایسے نادر مواقع کم ہی نصیب ہوتے ہیں۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”نہیں سمجھے تو تم بالکل ہی گدھے ہو اور مجھے تم سے ذرہ برابر بھی ہمدردی نہیں۔“

”آہ..... کیا تمہیں بھی کبھی مجھ سے ہمدردی رہی ہے۔“

”یقیناً.....!“

”خیر چھوڑو۔ جو کچھ میں نہیں سمجھا مجھے سمجھانے کی کوشش کرو۔“

”سمجھو! اس نے بہتر موقع اور کبھی نہیں ملتا اور یہ موقع ہمیں قدرت ہی کی طرف سے عطا

کیا گیا ہے۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہارے جسم میں چھپنے والی سویاں آسمان سے ٹپکی تھیں۔“

”میں کچھ بھی نہیں سمجھا تھا۔“

”اب تم مجھے یہ قوف بنانے کی کوشش کر رہے ہو۔“

”نہیں تو سنو گریشی۔ ان چند دنوں میں میری ذہنی صلاحیتیں پہلے کی آدھی بھی نہیں رہ

گئیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ میں پاگل کیوں نہیں ہو گیا۔“

”مرد ہو کر ایسی باتیں کرتے ہو۔ چھی..... خیر مجھے اس سے بحث نہیں۔ میں تو یہ بتانا

چاہتی تھی کہ ہم میں سے جب بھی کوئی باہر نکلتا ہے ہمارے آس پاس اس خفیہ کے آدمی

موجود رہتے ہیں۔ لہذا اگر ہم نکل بھاگنا بھی چاہیں تو یہ ہمارے لئے ناممکن ہوگا۔“

”اچھا تو پھر.....!“

”یہ بہترین موقع تھا۔ ہم انہیں اندھیرے میں چھوڑ آئے۔“

”نہیں۔“ کارٹر مسرت آمیز لہجے میں چیخ پڑا۔ گریٹی کے ہونٹوں پر ایک مصحوم سی

مسکراہٹ تھی۔

”ہاں۔“ اس نے کہا۔ ”میں شاید اپنی کوشش میں کامیاب ہوگئی ہوں۔ اب ہم آزاد

ہیں۔ لیکن اب اس.....!“

”بہت مناسب خیال ہے۔“ کارٹر نے خوش ہو کر کہا۔ ”ہاں ہمیں اب یہاں نہ ٹھہرنا چاہئے۔“

گریٹی کچھ نہ بولی۔ اب اس نے اندر کی روشنی گل کردی تھی اور کارٹر کی مختلف سڑکوں

سے گزر رہی تھی۔ کارٹر بے حد خوش تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ نہ صرف گلو خلاصی ہوئی بلکہ یہ اتنی حسین

لڑکی بھی مفت ہاتھ آئی۔ اب وہ کسی دوسرے شہر میں جا کر ایک نئی زندگی شروع کر سکیں گے۔

”مگر ہم جائیں گے کہا۔“ کارٹر نے کہا۔

”فی الحال تار جام۔“

”بہت مناسب ہے۔“ کارٹر سر ہلا کر بولا۔

کچھ دیر بعد کارٹر اس ویران سڑک پر آگئی جو تار جام کی طرف جاتی تھی اور دفعتاً کارٹر

چونک پڑا۔ کیونکہ اسے عقب نما آئینے میں کسی کار کی ہیڈ لائٹس نظر آئی تھیں۔ اس نے مڑ کر

دیکھا۔ حقیقتاً کوئی دوسری گاڑی ان کے پیچھے آ رہی تھی۔ چونکہ فاصلہ زیادہ تھا اس لئے اس کا

اندازہ کرنا مشکل تھا کہ وہ کوئی کار ہے یا ٹرک۔

”پیچھے ایک گاڑی ہے۔“ کارٹر نے آہستہ سے کہا۔

”ہوگی۔“ گریٹی لاپرواہی سے بولی۔

”اوہ..... کہیں ہمارا تعاقب۔“

”خش..... چھوڑو بھی۔ میرے اندازے بہت کم غلط ہوتے ہیں۔“

کارٹر خاموش ہو گیا۔ لیکن وہ مطمئن نہیں تھا اس لئے مڑ مڑ کر دیکھتا رہا۔ پچھلی گاڑی کی

رفتار بہت تیز تھی اور اس سے بار بار ہارن دیا جا رہا تھا۔ گریٹی نے اپنی گاڑی ایک طرف کر لی

اور کارٹر نے اس کار کو برابر سے گزرتے دیکھا اور دوسرے ہی لمحے میں اس کی روح فنا ہو گئی۔

ساتھ ہی گریٹی کے حلق سے بھی ایک ہلکی سی چیخ نکلی۔ دوسری کار کے اندر روشنی تھی اور کارٹر نے

اس میں سیاہ پوش خبیث کو صاف دیکھا تھا اور پھر خوف کے مارے اس کے ذہن کی کھڑکیاں

کھلنے لگیں۔ اس نے سوچا کہ وہ جن لوگوں کی قید میں ہے وہ اس کے حالات سے اچھی طرح

واقف ہوں گے۔ وہ کئی کو بھی جانتے ہوں گے اور شاید اس آدمی سے بھی واقف ہوں جو کئی

کے ساتھ تھا۔ ہو سکتا ہے انہوں نے سوچا ہو کہ اب میں اس آدمی کی نظروں میں آ گیا ہوں جسے

جرائم پیشہ لوگ اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ لہذا کہیں اس وقت مجھے ختم کر دینے کے لئے انہوں

نے کوئی پلاٹ نہ بنایا ہو۔ محض اس ڈر سے کہ کہیں کیپٹن حمید کی رسائی میرے ذریعہ سے ان

تک نہ ہو جائے۔

”اوہ..... کارٹر۔ وہ گاڑی رک گئی ہے۔“ گریٹی نے خوفزدہ سی آواز میں کہا۔

کارٹر نے بھی دیکھا۔ اگلی گاڑی ترجیحی سڑک پر رکی تھی اور بچا کر نکال لے جانے کی جگہ

نہیں تھی۔ کارٹر نے اپنے حواس قابو میں رکھے اور دوسرے ہی لمحے میں اس کا ہاتھ دروازے

کے ہینڈل پر پڑا۔ گریٹی نے بریک لگائے اور کارٹر نے بڑی پھرتی سے دروازہ کھول کر باہر

چھلانگ لگا دی۔

”ارے یہ کیا۔“ گریٹی بیساختہ چیخی اور اگلی کار سے بیک وقت کئی فائر ہوئے۔ مگر کارٹر

کے پیروں میں گویا پر لگ گئے تھے۔



”اوہ..... تو تم مجھے نشتے میں سمجھ رہے ہو۔ نہیں کیپٹن میں ہوش میں ہوں۔“

”خیر میں تسلیم کئے لیتا ہوں کہ تم ہوش میں ہو۔“

”میں کیا کروں۔“ کئی نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا اور پھر حمید نے ہلکی ہلکی سسکیاں لیں۔ لیکن اُسے اب نہ تو اس سے دلچسپی رہ گئی تھی اور نہ اس کی کہانی۔ س۔ وہ تو اس لڑکی کے متعلق سوچ رہا تھا جسے اندھیرا نگل گیا تھا۔

”میں جا رہی ہوں۔ مجھے جانے دو۔“ کئی اٹھتی ہوئی بولی۔

”میں نے تمہیں روکا کب تھا۔“ حمید نے لا پرواہی سے کہا۔

”تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔“

”حالانکہ وہ بالکل صاف ہوتی ہیں۔ مجھے ایسی عورتوں پر بے حد غصہ آتا ہے جو میرے

پاس بیٹھ کر دوسرے مردوں کے لئے روتی ہیں۔“

کئی بڑبڑاتی ہوئی چلی گئی اور حمید سوچنے لگا کہ زندگی میں ایسی راتیں بھی آتی ہیں جن کا حساب کتاب رکھنے کو دل نہیں چاہتا۔

## ایک انگلی اور لاش

فون کی گھنٹی بجی اور فریدی نے اخبار سے نظر ہٹائے بغیر نیلم سے کہا۔ ”دیکھو.....!“

نیلم قریب ہی بیٹھی ہوئی سویٹر بن رہی تھی۔ اس نے اٹھ کر کال ریسیور کی اور ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ ”آپ کی کال ہے۔“

”کون ہے؟“

”لیڈی شمشاد.....!“

”اوہ..... ٹھہرو۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا اور نیلم نے ریسیور اس کی طرف بڑھا دیا۔



تقریباً پندرہ منٹ بعد ہال میں روشنی ہوئی اور لوگ اپنی میزوں کی طرف جانے لگے۔ ریکریشن ہال کا منتظم مائیکروفون پر معذرت طلب کر رہا تھا۔ کسی وجہ سے عمارت کا برقی نظام بگڑ گیا تھا۔

حمید اور کئی بھی اپنی میز پر آ بیٹھے مگر انہیں کارٹر کی میز خالی نظر آئی اور کئی مضطربانہ انداز میں بڑبڑائی۔ ”اوہ..... کیپٹن وہ چلا گیا۔“

”چلو..... اچھا ہی ہوا۔ خس کم جہاں پاک۔“ حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

”نہیں..... وہ مجھے دھوکا دے کر نکل گیا۔“ وہ دردناک آواز میں بولی۔ ”میں نے تہیہ کیا تھا کہ آج اس کا تعاقب کر کے پتہ لگاؤں کہ وہ کہاں رہتا ہے۔“

”کیا مطلب.....؟“

”اوہ کیپٹن! وہ پچھلے پندرہ دنوں سے غائب تھا اور اطلاع یہ ملی تھی کہ وہ کسی لڑکی کے چکر میں پڑ گیا ہے۔ پھر تین دن پہلے کی بات ہے وہ ایک رات گرنج بار میں ملا اور کافی بدلا ہوا سا نظر آیا۔ میں تو کہتی ہوں کہ وہ کچھ خوفزدہ بھی تھا۔ میرے خدا میں آج تک نہ سمجھ سکی کہ وہ سب کیا تھا۔ وہ اچانک اٹھا تھا اور دوڑتا ہوا بار سے باہر نکل گیا تھا۔“

”چڑھ گئی ہوگی۔“

”نہیں کبھی نہیں۔ میں اسے تسلیم نہیں کر سکتی۔ ٹونی نے بھی بتایا تھا کہ اس نے بہت ہی معمولی مقدار میں اسکاچ لی تھی اور وہ تو ایک بلا نوش آدمی ہے دو چار پگ میں اس کا کیا بنتا بگڑتا ہے۔ بہت زیادہ پی جانے پر بھی اس کی حالت پاگلوں کی سی کبھی نہیں ہوتی۔ مگر اس رات..... پہلے تو وہ دو تین بار چیخا تھا اور پھر اٹھ کر دوڑتا چلا گیا تھا۔ جب تک ہم باہر آتے وہ نظروں سے غائب ہو چکا تھا۔“

”کیا تم دو ہی پگ میں بول جاتی ہو۔“ حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

”ہیلو۔ جی ہاں۔ فریدی۔ ارے۔۔۔۔۔ کب۔۔۔۔۔ اوہ۔۔۔۔۔ اچھا۔۔۔۔۔ میں چندرہ منٹ کے اندر پہنچ جاؤں گا۔“ اس نے ریسور رکھ دیا اور بیئرنگر سے کوٹ اتار کر پہنتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔

”کیوں۔۔۔۔۔ انکل۔“ نیلم نے سوال کیا۔

”واپس آ کر بتاؤں گا۔“ اس نے کہا اور حمید کے کمرے کے قریب سے گزرتے وقت اسے بھی باہر آنے کی ہدایت کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

حمید کمرے سے نکلا ہی تھا کہ نیلم سے مڈ بھڑ ہو گئی اور حمید نے چھوٹے ہی پوچھا۔

”یہ باہر آنا کیا معنی رکھتا ہے۔ بس کہتے ہوئے تشریف لے گئے ہیں کہ باہر آؤ۔“

”شاید لیڈی شمشاد کا فون تھا۔“ نیلم جلدی جلدی پلکیں جھپکاتی ہوئی بولی۔

”بڑھی عورتوں کے فون پر وہ اسی طرح طوفان اٹکے پریس ہو جاتے ہیں۔ ہام۔۔۔۔۔ تو میں کپڑے تبدیل کر لوں۔ یعنی لعنت ہے اس زندگی پر ابھی ناشتہ بھی نہیں فضا ہو۔“

”میں ایک ہفتے تک ناشتہ نہ کروں تب بھی مجھے پرواہ نہ ہوگی۔“ نیلم بولی۔

”میں کسی ریگستان میں نہیں پیدا ہوا تھا۔“ حمید آنکھیں نکال کر بولا اور پھر کمرے میں واپس چلا گیا

دروازہ بند کر کے اس نے لباس تبدیل کیا اور باورچی خانے سے آنے والی خوشبوئیں اپنے پیچھے پیروں میں ٹھونستا ہوا باہر لان پر نکل آیا۔

فریدی لیکن میں بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔

”مجھے اس سے بڑی نفرت ہے کہ بیدار ہو جانے کے بعد بھی شب خوابی کا لباس جسم پر موجود رہے۔“ اس نے کہا۔

”جس چیز سے آپ کو محبت ہو اسی کا نام بھی لے لیجئے۔“ حمید اس کے برابر بیٹھ کر دروازہ بند کرتا ہوا بولا۔

کار پھاٹک سے نکل کر سڑک پر آ گئی۔ فریدی نے حمید کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

”کیا لیڈی شمشاد نے ناشتہ پر مدعو کیا ہے یا سر شمشاد کی لاش ہمیں ناشتہ بنائے گی۔“

حمید نے پوچھا۔

”تم غلط سمجھے۔ شمشاد کو کسی نے قتل نہیں کیا بلکہ صرف اس کے بائیں پیر کی سب سے چھوٹی انگلی کاٹی گئی ہے۔“

”کیا مطلب۔۔۔۔۔؟“

”بائیں پیر کا مطلب بتاؤں یا سب سے چھوٹی انگلی کا۔“

حمید کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا اور اس نے تہیہ کر لیا کہ اب کچھ نہ پوچھے گا۔

کچھ دیر بعد کار شمشاد والا کے سامنے رکی۔ یہاں کئی اور کاریں بھی کھڑی ہوئی تھیں، جن پر لگی ہوئی ”ایم“ کی تختیاں ظاہر کر رہی تھیں کہ اس وقت شمشاد والا میں شہر کے ڈاکٹروں کا جم غیر نظر آ رہا ہوگا۔

وہ جلد ہی لیڈی شمشاد کے پاس پہنچا دیئے گئے جو ان کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔

اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔ بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے وہ سچ کچھ بیوہ ہو گئی ہو۔

فریدی نے خود ہی گفتگو چھیڑی تھی ورنہ اس کے ہونٹ تو اتنی مضبوطی سے بند تھے کہ جیڑوں کی رگیں ابھر آئی تھیں۔

”ان کی چیخ سن کر ملازم بیدار ہوا تھا۔“ لیڈی شمشاد نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”یہ چھ بجے صبح کی بات ہے۔ اس نے خواب گاہ میں جا کر ڈیکھا وہ بستر پر تڑپ رہے تھے اور چادر خون سے رنگین تھی۔“

”کیا وہ اس وقت ہوش میں تھے۔“

”ہاں اس وقت تو ہوش میں تھے لیکن اس کے بعد سے پھر ہوش نہیں آیا۔“

”انگلی الگ ہو گئی ہے۔“

”بالکل۔۔۔۔۔ لیکن کئی ہوئی انگلی کمرے میں نہیں ملی۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ زخم تازہ نہیں

ہے بلکہ وہ کم از کم چھ گھنٹے کا ہے۔ یعنی انگلی اسی وقت نہیں کٹی تھی جب ان کی چیخ سنی گئی تھی۔“

”ٹھہریئے۔ میں اس کے متعلق ڈاکٹروں ہی سے گفت و شنید کروں گا۔ کیا وہ ان کے



کمرے میں ہیں۔“

”ہاں میرے ساتھ آؤ۔“ لیڈی شمشاد نے کہا اور آگے بڑھ گئی۔

وہ انہیں سر شمشاد کی خواب گاہ میں لے جانا چاہتی تھی لیکن پھر ایک ملازم سے معلوم ہوا

کہ خواب گاہ میں ایک نرس موجود ہے۔ ڈاکٹر لائبریری میں آگئے ہیں۔

ڈاکٹروں میں ایک فریدی کا شناسا بھی تھا۔ وہ فریدی کو دیکھتے ہی لائبریری سے نکل آیا۔

”میں انہیں الگ لے جا کر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔“ فریدی نے ڈاکٹر کی طرف دیکھ کر

لیڈی شمشاد سے کہا۔

”اوہ..... ضرور..... ضرور۔“ لیڈی شمشاد نے کہا اور دوسری راہداری میں مڑ گئی۔

”کیا انگلی بالکل الگ ہو گئی ہے ڈاکٹر صاحب۔“ فریدی نے پوچھا۔

”جی ہاں..... اور وہ کمرے میں بھی نہیں ملی۔ وہ چاقو یقیناً بہت تیز تھا کیونکہ ہڈی بالکل

موم کی طرح ترشی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔“

”زخم کتنی دیر پہلے کا ہو سکتا ہے۔“

”کم از کم چھ گھنٹے پہلے کا۔“ ڈاکٹر نے کہا۔

”لیکن چیچ تقریباً چھ بجے سنی گئی تھی اور سر شمشاد اس وقت ہوش میں تھے۔“

”ہو سکتا ہے، اسی وقت ہوش میں آئے ہوں۔“

”مگر چھ بجے سے پہلے ان کی کوئی چیچ نہیں سنی گئی۔ ظاہر ہے کہ انگلی کتنے وقت وہ چیچ

ضرور ہوں گے۔“

”یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ چیچ ہی ہوں گے۔“

”کیوں.....!“

”ان کے سٹم پر کلوروفارم کے اثرات بھی پائے گئے ہیں۔“

”اوہ.....!“ فریدی کے ہونٹوں نے دائرے کی شکل اختیار کر لی۔

”انگلی کاٹنے سے پہلے یقینی طور پر کلوروفارم دیا گیا تھا۔“ ڈاکٹر بولا۔

”شکریہ ڈاکٹر۔ بس مجھے اب اور کچھ نہیں پوچھنا ہے۔ ویسے حالت تشویش ناک تو نہیں ہے۔“

”نہیں یہ بھی حیرت انگیز بات ہے کہ خون زیادہ مقدار میں نہیں نکلا۔ حالانکہ چھ گھنٹے میں

سارے جسم کی رگیں خشک ہونی چاہئے تھیں۔“

”حیرت انگیز کیوں خون جم گیا ہوگا۔ سردیوں کے دن ہیں۔“

”نہیں کرنل صاحب۔ زخم پر کسی دوا کے آثار بھی ہیں جس نے خون جتنے سے پہلے ہی

رگوں کے منہ بند کر دیئے تھے۔“

فریدی خاموش ہی رہا۔ حمید اس کی آنکھوں میں تشویش کے آثار دیکھ رہا تھا۔

پھر وہ ڈاکٹر سے مصافحہ کر کے اسی راہداری میں مڑ گیا جس میں کچھ دیر پہلے لیڈی شمشاد

داخل ہوئی تھ۔ وہ انہیں ایک کمرے میں مل گئی۔

”اب میں سر شمشاد کو بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔

”چلو..... مگر..... ڈاکٹر نے کیا کہا ہے۔“

”اوہ..... آپ فکر نہ کیجئے۔ ڈاکٹر مطمئن ہیں۔ خارج ہونے والے خون کی مقدار

تشویش ناک نہیں ہے۔“

”تم سچ کہہ رہے ہونا۔“ لیڈی شمشاد رو ہانسی ہو کر بولی۔

”بالکل فکر نہ کیجئے۔“ فریدی اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرم لہجے میں بولا۔ ”چلئے۔“

وہ سر شمشاد کی خواب گاہ میں آئے اور حمید اُسے دیکھ کر متحیر رہ گیا۔ وہ اس سے پہلے بھی

اسے بار بار دیکھ چکا تھا مگر اب اُسے پہچاننے میں بھی دشواری ہو سکتی تھی۔ گال بیٹھ گئے تھے اور

آنکھیں دھنس گئی تھیں۔ جن کے گرد سیاہ حلقے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سالہا سال سے

صاحب فراش رہا ہو۔

”میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ اتنے بدل گئے ہوں گے۔“ فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

”بس دیکھ لو۔ اسی وقت سے حالت بگڑنی شروع ہو گئی تھی۔ جب دوسری بار وہ نامراد تحریر

ان کی پشت پر دیکھی گئی تھی۔“

”اس درمیان میں بھی انہوں نے اس کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔“

”ہرگز نہیں۔ اگر بتاتے تو میں تمہیں ضرور اطلاع دیتی۔“

”اوہو..... اچھا چلے۔ باہر گفتگو کریں گے۔“

وہ پھر خواب گاہ سے باہر آ گئے۔ حمید زخم نہیں دیکھ سکا تھا کیونکہ بائیں پیر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ ویسے اس کی خواہش تھی کہ ایک نظر زخم کو بھی دیکھ لیتا مگر جب فریدی ہی نے اس قسم کا کوئی مطالبہ نہیں کیا تھا تو وہ اپنی زبان کیسے کھولتا۔

وہ ایک دوسرے کمرے میں آئے۔

”میں ان کے سارے احباب کو بھی چیک کر چکا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ ”مگر ابھی تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا۔“

”مگر انگلی کیسے کٹی۔ اس کا مطلب ہے.....!“

”مطلب تو ابھی تک کسی چیز کا بھی واضح نہیں ہو سکا۔ تحریر ہی کے متعلق ہم نے یا کسی نے کیا معلوم کر لیا ہے۔“

”پھر بتاؤ میں کیا کروں۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ میں پاگل ہو جاؤں گی۔“

”فکر نہ کیجئے۔ جلد ہی کوئی بہتر صورت پیدا ہوگی۔“ فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”کیا آپ سر شمشاد کے کسی دشمن سے بھی واقف ہیں۔“

”نہیں! ویسے تو ایک نہیں ہزاروں دشمن ہوں گے۔ کاروبار میں ہر قسم کی دشمنیاں چلتی

رہتی ہیں۔“

”بہر حال آپ کوئی ایسی بات نہیں بتا سکتیں جس سے تفتیش کو کسی خاص رخ پر آگے

بڑھایا جاسکے۔“

”میں سوچوں گی۔ اس وقت تو میرا دماغ قابو میں نہیں ہے۔“

”ان کی نجی ڈاک گھر کے پتے پر آتی ہے یا دفتر کے پتے پر۔“

”ڈاک دفتر کے پتے پر آتی ہے اور نجی خطوط یہ دفتر میں نہ ہوں تو گھر آ جاتے ہیں۔“

”ان دنوں کی ڈاک کہاں ہے۔“

”اس کے لئے ان کے مخصوص ملازم سے گفتگو کرنی پڑے گی۔“

تقریباً آدھے گھنٹے تک فریدی ملازم سے حاصل کئے ہوئے خطوط دیکھتا رہا لیکن حمید نے اس کے چہرے سے اندازہ کر لیا تھا کہ اسے کوئی کام کی بات نہیں معلوم ہو سکی۔

فریدی کی دوسری تجویز یہ بھی تھی کہ سر شمشاد کے نجی صندوقوں کی تلاشی لی جائے۔ لیکن لیڈی شمشاد اس پر رضامند نہیں ہوئی۔ اس کا خیال تھا کہ یہ کام سر شمشاد کی لاعلمی میں ہرگز نہ ہو سکے گا۔

پھر کچھ دیر بعد وہ وہاں سے روانہ ہو گئے۔ فریدی نے لیڈی شمشاد کو بہتری تشفی دی تھی، لیکن اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار نہیں مٹے تھے۔

راہ میں حمید نے کچھلی رات کا قصہ چھیڑ دیا۔ ابھی تک اس نے فریدی کو اس سے آگاہ نہیں کیا تھا کہ اس نے کچھلی رات کا کچھ حصہ کئی پرکس کے ساتھ بھی گزرا تھا۔

”جی کارٹر اور ٹونی میں دونوں ہی سے واقف ہوں۔ یہ بہت ہی شاطر قسم کے شارپر ہیں۔ اول درجے کے مکار اور تم بڑے گدھے ہو کہ تم نے اس کا تذکرہ پہلے ہی نہیں کیا۔“ فریدی غرایا۔

”پہلے سے مراد ہے..... غالباً ناشتے سے پہلے۔“ حمید دردناک آواز میں بولا۔ ”مگر ابھی ہم نے ناشتہ کیا ہی کب ہے۔“

”بکو اس مت کرو۔ ہو سکتا ہے کارٹر اور ٹونی ہی نے کوئی جال پھیلایا ہو۔“

”ناشتے سے پہلے اب میرے حلق سے آواز بھی نہ نکل سکے گی۔ ویسے ابھی میرے پاس بہتری اہم اطلاعات ہیں۔“

فریدی نے کار ایک رستوران کے سامنے روک دی۔

”چلو اترو۔“ فریدی نے برا سامنے بتا کر کہا۔ ”پہلے کچھ زہر مار کر لو۔“

”پہلے ہی زہر مار کر وادیا ہوتا تو کیا حرج تھا۔“



وہ رستوران میں آ بیٹھے اور حمید ہی نے اپنی پسند سے آرڈر دیا۔

اور تھوڑی ہی دیر بعد وہ مختلف چیزوں کے بڑے بڑے ٹکڑے لگتا ہوا کہہ رہا تھا۔ ”ان دونوں گدھوں کو اس کا علم ہے کہ کئی پرکنس کرنل اسمتھ کی بیوی بھی ہے۔“

”یہ کیسے کہا جاسکتا ہے۔“

”صرف زبان ہلا کر۔“ حمید نے کافی سعادت مندانہ انداز میں جواب دیا۔

”حمید میں تمہاری گردن توڑ دوں گا۔“

”اس کے باوجود بھی زبان ہلانے کے لئے ناشتے کا محتاج رہوں گا۔ کیونکہ ناشتہ ہر حال

میں گردن سے گزرتا ہے۔ خواہ وہ ٹوٹی ہوئی ہو یا نہ ہو۔“

فریدی بڑا سامنے بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

”اوہاں۔“ حمید جلدی سے بولا۔ ”تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ بات مجھے کئی ہی نے

بتائی تھی کہ وہ دونوں اس حقیقت سے لاعلم ہیں۔“

”اور کئی ہی نے گرنج بار کا واقعہ بھی بتایا تھا۔“

”جی ہاں۔“

”ہوں۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”ٹوٹی تم دونوں کو وہیں چھوڑ کر اٹھ گیا تھا۔“

”یہ بھی درست ہے۔“

”تمہیں یقین ہے کہ ہائی سرکل ٹائٹ کلب کا اندھیرا لائین کی خرابی کا نتیجہ نہیں تھا۔“

”خود کلب ہی کی طرف سے مائیک پر اس کا اعلان ہوا تھا کہ صرف عمارت ہی کے برقی

نظام میں کوئی گڑبڑ ہو گئی تھی۔“

اور پھر روشنی ہونے پر جی کارڈر اور وہ لڑکی وہاں نظر نہیں آئے تھے۔

”یہ بھی درست ہے۔“

”اس کارڈر عمل کئی پرکنس پر کیا ہوا تھا؟“

”وہ بہت زیادہ مغموم نظر آنے لگی تھی۔ بلکہ کچھ دیر تک روتی بھی رہی تھی۔“

”پھر تم دونوں کہاں گئے تھے۔“

”پھر وہ چلی گئی تھی اور میں وہیں بیٹھا سر پیٹتا رہا۔“

فریدی نے پھر کوئی سوال نہ کیا۔ ناشتہ ختم کر کے وہ کاؤنٹر پر آئے۔ حمید تو بل کی رقم ادا کرنے لگا اور فریدی نے فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کئے۔

”ہیلو! گیت یووا۔“ اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ ”ٹونی کہاں ہے۔ میں جی کارڈر بول رہا

ہوں۔ اوہ..... شکر یہ۔“

”فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا اور وہ دونوں باہر نکل آئے۔“

کار پھر چل پڑی اور فریدی نے پوچھا۔ ”تو ٹونی کئی کو ہائی سرکل میں اسی لئے لے گیا تھا

کہ اُسے جی کو اس لڑکی کے ساتھ دکھائے۔“

”ہاں..... کئی نے تو یہی بتایا تھا۔ مگر اب ہم کہاں جا رہے ہیں۔“

”میں ٹونی کو چیک کروں گا۔“

”ٹونی کی سات پشتوں کو چیک کیجئے۔ میں ناشتہ کر چکا ہوں۔“ حمید نے کہا اور پائپ

میں تمباکو بھرنے لگا۔ ویسے حقیقتاً وہ اس کیس میں کافی دلچسپی لے رہا تھا۔

”کیا آپ کرنل اسمتھ سے نہیں ملیں گے۔“ اس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

”ملوں گا۔ مگر اس سے پہلے ہی ٹونی کو چیک کروں گا۔“

”وہ کہاں ملے گا۔“

”اپنے گھر پر۔ کیونکہ وہ ابھی تک آفس نہیں پہنچا۔“

”آفس.....!“ حمید نے حیرت سے دہرایا۔

”ہاں۔ کیوں تمہیں اس پر حیرت کیوں ہے۔ وہ ایک جاپانی فرم میں اسسٹنٹ منیجر کی

حیثیت سے کام بھی کرتا ہے۔“

”اس سے زیادہ حیرت مجھے اس بات پر ہے کہ آپ کو اس جاپانی فرم کے ٹیلی فون نمبر

بھی یاد تھے۔“

”ہاں.....!“

”اُسے میں کیا سمجھوں۔ ارے دنیا کی کوئی ایسی بات بھی ہے جو آپ کے علم میں نہ ہو۔“

فریدی ہنسنے لگا پھر بولا۔ ”اب تم غالباً شر لاک ہو مڑ والی پھبتی دہراؤ گے۔“

”نہیں۔ میں کسی دن حیرت کی زیادتی کی وجہ سے مر ہی جاؤں گا۔“

”بات یہ ہے کہ اس فرم سے تعلق رکھنے والے بعض افراد سے میں ان دنوں ملتا رہا ہوں۔“

”اوہو..... اب میں سمجھا۔ جاپانی فرم ہے نا۔“

”ہاں جاپانی۔ مگر بہت دیر میں سمجھے۔“

”تو کیا اس فرم سے ٹویوڈا کا کوئی تعلق ثابت ہوتا ہے۔“

”مجھے شبہ ہے۔“

ٹویوڈا کے چکر میں فریدی عرصہ سے تھا۔ ٹویوڈا ساری دنیا میں جاپان کا فتنہ کھلاتا تھا اور دنیا کے کسی بھی ملک میں اس کی موجودگی ناممکن نہیں سمجھی جاتی تھی۔ فریدی کو شبہ تھا کہ وہ ان دنوں اسی کے ملک میں مقیم ہے نہ صرف ملک بلکہ دارالسلطنت میں۔

”تم ٹویوڈا کے متعلق کیا جانتے ہو۔“ فریدی نے پوچھا۔

”جو کچھ نہ جانتا ہوں گا وہ آپ جانتے ہوں گے۔“ حمید نے لاپرواہی سے کہا۔

”اس لئے کوئی فرق نہیں پڑ سکتا۔“

فریدی پھر ہنسنے لگا۔ کار سینٹ جوزف کالونی میں داخل ہو رہی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ ایک چھوٹے سے مکان کے سامنے رک گئی۔ وہ دونوں اترے اور فریدی برآمدے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ پھر وہ کافی دیر تک کال بل کا بٹن دباتا رہا لیکن اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔ تنگ آ کر حمید نے دروازہ پینا شروع کر دیا۔ مگر جواب نہ ملا۔ آخر وہ گھوم کر عمارت کی پشت پر پہنچے۔ لیکن ادھر بھی اندر جانے کا کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ وہ پھر برآمدے کی طرف واپس آئے جب کوئی اور صورت باقی نہ رہ گئی تو فریدی نے فیصلہ کیا کہ وہ دروازہ ہی توڑ دیا جائے۔ اتنی دیر میں وہاں اچھی خاصی بھیڑ ہو گئی تھی۔ لوگوں کو یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ وہ دونوں محکمہ پولیس سے تعلق رکھتے ہیں۔

دروازہ توڑا گیا اور وہ اندر گھسے۔ مگر وہاں..... انہیں ٹوٹی کی لاش ملی۔ وہ فرش پر پیٹ کے بل پڑا ہوا تھا اور اس کی پشت میں ایک خنجر دسے تک پھنس چکا تھا۔ آس پاس کی زمین خون سے سرخ تھی۔“

”نوں..... کو توالی۔“ فریدی نے حمید سے صرف اتنا ہی کہا اور پھر لاش کی طرف متوجہ ہو گیا۔

## نئے اُلو

سینٹ جوزف کالونی کے پوسٹ آفس سے کو توالی فون کر کے حمید پھر واپس آ گیا۔ اس وقت اس کے ذہن میں ٹویوڈا کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ مگر ٹویوڈا تھا کہاں اور فریدی کے شبہات کی بنیاد کیا تھی؟ اُسے کیسے علم ہوا تھا کہ ٹویوڈا دارالسلطنت میں مقیم ہے؟ حمید کے پاس ان سوالات کا کوئی جواب نہیں تھا۔

ٹویوڈا کوئی غیر معروف ہستی نہیں تھی۔ یورپ کے لوگ تو اُسے شیطان ہی کا جاپانی ترجمہ سمجھتے تھے اور اس کی شکار گاہ بھی یورپ ہی تصور کیا جاتا تھا۔ یورپ کے جن ملک میں بھی اس کی موجودگی کا شبہ کیا جاتا وہاں کے سرمایہ دار پوری نیند چھوڑ دیتے تھے اور انہیں ہر وقت ہوشیار رہنا پڑتا تھا۔

مگر ٹویوڈا..... یہاں؟ یہ بات حمید کے حلق سے نہیں اترتی تھی۔ آخر فریدی کو کس بناء پر یہاں اس کی موجودگی کا شبہ ہوا تھا۔ فریدی نے آج تک اپنے شبے کی وجہ نہیں بتائی تھی۔

تھوڑی ہی دیر بعد ایک پولیس کار وہاں پہنچ گئی۔ کو توالی انچارج کے ساتھ پولیس ہسپتال کا ڈاکٹر بھی آیا تھا۔

حمید کو ایک بار پھر باہر جانا پڑا کیونکہ وہ اپنے محکمے کے منکر پرنٹ سیکشن کے فوٹو گرافروں کو فون کرنا بھول گیا تھا۔

”یہ بعد میں سوچوں گا۔“

”جو کچھ بھی سوچو گے غلط ہی سوچو گے۔“

”اگر غلط نہ سوچوں گا تو صحیح سوچوں گا۔ ان دونوں کے علاوہ اور کوئی تیسرا معیار نہیں ہے۔“

”ٹویوڈا کے متعلق تم کیا جانتے ہو۔“

”یورپ کا ہوا۔ جو جاپان میں پیدا ہوا تھا۔ اس کا خوف یورپ کے سرمایہ داروں پر اس

طرح مسلط ہے کہ اکثر ٹویوڈا کے نام پر انہیں دوسرے بھی لوٹ لیتے ہیں۔“

”بس اتنا ہی جانتے ہو۔“

”اگر اس سے زیادہ جانتا ہوتا تو یہی نہ تسلیم کر لیتا کہ آج کل ٹویوڈا یہاں موجود ہے۔“

حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

”کتنی دیر سے انگارے چبار ہے ہو۔“ فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا تھا۔

”ٹویوڈا ایک مقامی سرمایہ دار کا تعاقب کرتا ہوا جرمنی سے یہاں آیا ہے۔ اس سرمایہ دار

نے خود ہی مجھے اطلاع دی تھی کہ ٹویوڈا ایک شکاری کتے کی طرح اس کا پیچھا کر رہا ہے۔“

”تب پھر اُسے شبہ کیوں کہے۔ آپ کو یقین ہونا چاہئے کہ ٹویوڈا یہاں موجود ہے۔“

”جب تک کہ مجھے واضح ثبوت نہ مل جائیں، میں کسی معاملے کو شبہات کی حدود سے نہیں

نکلتے دیتا۔“

”اس سرمایہ دار کا کیا حشر ہوا۔“

”اُسے اپنے حشر کا علم ہی نہ ہو سکے گا۔ اگر اس کا شبہ درست ہے۔“

”کیوں؟“

”یہی تو تم نہیں جانتے۔“ فریدی مسکرایا۔ ”ٹویوڈا کا طریق کار یہی ہے۔“

”میں اب بھی نہیں سمجھا۔“ حمید جھنجھلا گیا۔

”بھی انہیں اچانک ہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کا کوئی نقصان ہو گیا۔ خواہ وہ نقصان سال

والہیسی پر اس نے فریدی کو چھان بین میں مشغول پایا۔ ڈاکٹر لاش کا معائنہ کر چکا تھا۔

اس کے خیال کے مطابق قتل رات کے پچھلے حصے میں ہوا تھا۔ دو اور تین کے درمیان۔

فریدی خاموش تھا۔ اس نے ابھی تک نہ کسی سے اختلاف کیا تھا اور نہ کسی پوائنٹ کو

موضوع بحث بنایا تھا۔ حالانکہ کئی آفیروں نے بحث چھیڑنی بھی چاہی تھی، مگر فریدی ٹال گیا تھا۔

پھر وہ دونوں نوٹوگرافروں کو بعض ضروری ہدایات دیتے ہوئے باہر آ گئے۔

”کیا خیال ہے۔“ حمید نے کار میں بیٹھے ہوئے پوچھا۔

”ٹویوڈا۔“ فریدی نے آہستہ سے جواب دیا۔

”کوئی دلیل۔“

”اوہ۔۔۔۔۔ حمید۔۔۔۔۔ کئی پرنکس۔“

”کیا مطلب۔۔۔۔۔؟“

”میرا خیال ہے کہ کئی پرنکس بھی خطرے میں ہو سکتی ہے یا ہو سکتا ہے اب تک اس کا بھی

یہی حشر ہو چکا ہو۔“

حمید کے دل کو دھچکا سا لگا۔ کسی عورت کا قتل ہمیشہ اس کے لئے تھوڑا بہت تکلیف دہ ضرور

ہوتا تھا خواہ مقتولہ بجر نہ ہی کیوں نہ ہو اور کئی تو بہت صاف گو تھی۔ وہ اگر چاہتی تو حمید کو جی کارڈ

کے متعلق کچھ نہ بتاتی۔ یہ ظاہر کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی کہ وہ کسی کی بیوی ہونے کے

باوجود بھی دوسرے مردوں سے تعلقات رکھتی ہے۔

”کیوں نہ ہم اُسے بھی دیکھ لیں۔“ حمید نے کہا۔

”وہیں چل رہے ہیں۔“

”مگر ٹویوڈا۔ آخر آپ کس بناء پر یہاں اس کی موجودگی۔۔۔۔۔؟“

”فی الحال اُسے الگ ہی رکھو۔“ فریدی بات کاٹ کر بولا۔

”میں الگ نہیں رکھوں گا۔ آپ کو بتانا پڑے گا۔“

”اگر تم نے اس کے متعلق کچھ معلوم بھی کر لیا تو کیا کر سکو گے۔“

بھر سے کیوں نہ ہوتا رہا ہو۔ مثلاً تمہاری کوئی رقم کسی بینک کے سیونگ بینک اکاؤنٹ میں پڑی ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ تم اس کی طرف سے مطمئن ہو۔ لیکن اچانک ایک دن تمہیں علم ہوگا کہ لاکھوں میں صرف پانچ روپے باقی بچے ہیں۔“

”جعلی چیک!“

”ہاں..... یا تو وہ خود ہی جعلی دستخط بنانے کا ماہر ہے یا اس کے گروہ کا کوئی آدمی۔“

”وہ سرمایہ دار دراصل ایک تجارتی معاہدے کے سلسلے میں جرمی کیا تھا۔ ٹویڈا کو کسی وجہ سے یہ معاہدہ پسند نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے کہ ٹویڈا کی اس ناپسندیدگی کے پس منظر میں کسی دوسرے سرمایہ دار کا مفاد ہو۔ وہ اکثر دوسروں کے لئے کام بھی کرتا ہے۔“

”کیا وہ سرمایہ دار سر شمشاد ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”ہرگز نہیں۔ ان آٹھوں آدمیوں میں سے ایک بھی نہیں ہے۔“

”مگر وہ اس سرمایہ دار کا تعاقب کیوں کر رہا تھا۔“

”اس نے اُسے وارننگ دی تھی کہ اگر اس نے جرمی کی کسی فرم سے کوئی معاہدہ کیا تو وہ قبر تک اس کا تعاقب کرے گا۔ ٹویڈا کی وارننگ کچھ اس قسم کی ہوتی ہے جو لوگوں کو ذہنی ہیجان میں مبتلا کر دے۔ لوگ نہیں جانتے کہ وہ کیا کیا کر گزرے گا۔ اس لئے اس کی وارننگ ہی ان کی موت کا پیغام بن جاتی ہے اور وہ جو کچھ بھی کہتا ہے کر گزرتا ہے۔ خواہ اس کے لئے کتنی ہی دشواریاں کیوں نہ پیدا کر دی جائیں۔“

”اوہ..... تب میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس کی شامت ہی اُسے یہاں لائی ہے۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ کار کرٹل اسمتھ کی کٹھی کے قریب پہنچ گئی تھی۔ فریدی اُسے کپاؤنڈ

کے اندر لیتا چلا گیا۔

کچھ دیر بعد وہ ملازم کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔ فریدی نے کٹی پرکنس کے لئے اپنا

کارڈ بھی بھجوایا لیکن ملازم کو یقین نہیں تھا کہ وہ اندر موجود ہی ہوگی۔

اپنے خیال کے مطابق وہ بے نیل و مرام واپس آیا۔ وہ اندر موجود نہیں تھی۔ لیکن نوکر کے

بچے ہی کرٹل اسمتھ کی شکل بھی نظر آئی۔ وہ ایک دبلا پتلا اور لمبا آدمی تھا۔ گو اس کی عراب ڈھل گئی تھی، لیکن پھر بھی اس کی آنکھوں سے جوانوں کی سی چستی اور طاقت کا اظہار ہوتا تھا۔

”آپ کٹی پرکنس سے کیوں ملنا چاہتے ہیں۔“ کرٹل اسمتھ نے فریدی کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

”وہ میری دوست ہیں۔“ حمید بول پڑا۔

”میں آپ دونوں کو پہچانتا ہوں۔“ کرٹل اسمتھ غرایا۔

”یقیناً ہماری خوش قسمتی ہے کہ کرٹل اسمتھ“ فریدی مسکرایا۔

”لیکن میرا ہاتھ دوست کے لئے نہیں بڑھ سکتا۔“

”یہ بھی ظاہر ہے۔“

”میں نہیں چاہتا کہ آپ لوگ میرے گھر تشریف لائیں۔“ اس نے بلند آواز میں کہا۔

”پھر میں دوست سے کہاں ملا کروں کرٹل۔“ حمید نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

”جنہم میں۔“ کرٹل اسمتھ تقریباً چیخ پڑا۔ ”اگر وہ تمہاری دوست ہے تو اُسے یہاں سے

لے جاؤ۔ اپنے ساتھ رکھو لیکن میرے گھر پر آنے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”اوہ..... تم اپنی بیوی کی توہین کر رہے ہو۔“ فریدی نے کہا۔

”وہ میری بیوی ہے اس لئے تمہیں اس کی فکر نہ ہونی چاہئے۔“

”بھھہہہ کی فکر ہے۔“

”کیوں؟“

”وہ خطرے میں ہے کرٹل اسمتھ۔“

”گڈ.....“ کرٹل اسمتھ کی آنکھیں چپکنے لگیں۔ لیکن ان سے حیرت بھی جھانک رہی

تھی۔ کچھ دیر تک وہ خاموش رہا پھر بولا۔ ”یہ خطرہ کب تک خطرے ہی کے اسٹیج میں رہے گا۔“

”میں نہیں سمجھا۔“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

”خطرہ ٹل جائے تو اُسے کیا کہیں گے۔“ کرٹل اسمتھ نے پوچھا۔

”اگر شوہر کے سر سے خطرہ ٹل جائے تو بیوی بیوہ نہیں کہلائے گی۔“ حمید بول پڑا۔ ”اور

اگر بیوی کے سر سے خطرہ ٹل گیا تو شوہر کی شامت بدستور موجود رہے گی۔ کیا سمجھے۔“  
 ”میں تم سے بات نہیں کر رہا ہوں۔“ کرنل اسمتھ کسی بد مزاج بوڑھی عورت کی طرح  
 نتھنے پھلا کر بولا۔

”کیا تم چاہتے ہو کہ کٹی مر جائے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”ہاں میں یہی چاہتا ہوں۔“

”اچھی بات ہے۔ اگر آج ہی اس کی لاش مل گئی تو میں تمہیں پھر تکلیف دوں گا۔“ فریدی  
 نے کہا اور واپسی کے لئے مڑ گیا۔

”اوہ۔۔۔ آہ۔۔۔!“ کرنل اسمتھ کھانسی کر بولا۔ ”ٹھہرو۔۔۔ ٹھہرو۔۔۔ پتہ نہیں تم کیا کہہ  
 رہے ہو۔“

فریدی رک گیا۔

”میں یہ کہہ رہا ہوں۔“ اس نے پرسکون لہجے میں کہا۔ ”کہ تم ابھی اس کی موت کے  
 خواہاں ہونے کا اعتراف کر چکے ہو۔ اس لئے اگر اس کی لاش ہی ملی تو۔۔۔!“

”مم۔۔۔ مطلب۔۔۔ یہ کہ۔۔۔ میں سمجھتا ہوں تم کیا کہنا چاہتے ہو لیکن اس کی موت کا  
 تعلق میری ذات سے نہیں ہو سکتا۔“

”اسے تو صرف عدالت ہی میں ثابت کیا جاسکے گا۔“

”ہوں۔۔۔!“ اس نے آنکھیں نکال کر ہونٹ سختی سے بھیجنے لئے اور پھر بولا۔ ”تو میں بہ

سمجھ لوں کہ میرے لئے کوئی جال پھیلایا جا رہا ہے۔“

”کس قسم کا جال۔۔۔ کرنل اسمتھ۔“

”یہ کئی جان سکتی ہے۔ یا تم جان سکتے ہو۔“

”اوہ تو کیا تمہاری بیوی تمہارے لئے کسی قسم کا جال بھی پھیلا سکتی ہے۔“

”میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ کئی نے تمہیں میرے خلاف

بھڑکایا ہے۔“

”میں تمہارے متعلق کیا نہیں جانتا اور کب سے نہیں جانتا۔“ فریدی کے ہونٹوں پر ایک  
 طنزیہ سی مسکراہٹ تھی۔

”لیکن جاننے کے باوجود بھی میرا کیا بگاڑ سکے۔“

”یہ ایک دوسری بحث ہے اس وقت اس میں نہیں پڑنا چاہتا تھا لیکن اگر تم نے اپنی اور کئی  
 کی پوزیشن صاف نہ کی تو تم دونوں ہی پریشانیوں کا شکار ہو جاؤ گے۔“

”جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں قطعی مطمئن ہوں کیونکہ پریشانیوں سے پنپنا میرا  
 محبوب مشغلہ ہے لیکن بتاؤ کہ کئی کو کس بات کا خطرہ لاحق ہے۔“

”ہم زیادہ دیر تک کھڑے نہیں رہ سکتے۔“ حمید نے کہا۔

”مجھے افسوس ہے کہ میں اپنی چھت کے نیچے پولیس والوں کو دیکھنا پسند نہیں کرتا۔“

”تب تم دوبارہ آلو ہو اور تیسری بار نہیں ہو۔“ حمید نے کہا اور کرنل اسمتھ یک بیک اس  
 طرح چونک پڑا جیسے الیکٹرک شاک لگا ہو۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں اور  
 آنکھوں میں بادل سے چھا گئے تھے۔ پہلی سی آب و تاب باقی نہیں رہی تھی۔ پھر ایسا معلوم ہوا  
 جیسے وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے گا۔ یہی ہوتا مگر اسے برآمدے کے ستون کا سہارا مل گیا۔

حمید نے فریدی کے ہونٹوں پر ایک آسودہ سی مسکراہٹ دیکھی۔ ویسے حمید ڈر رہا تھا کہ  
 کہیں وہ اس آلو کے حوالے کے لئے اس سے باز پرس نہ کر بیٹھے۔

”کیا تمہاری طبیعت کچھ خراب ہے۔“ فریدی آگے بڑھتا ہوا بولا۔

”جاؤ۔۔۔ خدا کے لئے چلے جاؤ۔ جاؤ یہاں سے۔“ کرنل اسمتھ نے خوفزدہ سی آواز میں  
 کہا۔ ”اس سڑک کی بجلی نے آخر۔۔۔ نہیں کچھ نہیں۔۔۔ جاؤ۔“

پھر یک بیک وہ حلق پھاڑنے لگا۔ پاگلوں کی طرح چیخنے لگا۔ ”نکل جاؤ۔ یہاں سے چلے  
 جاؤ۔۔۔ بھاگو۔ ورنہ میں بہت بری طرح پیش آؤں گا۔ میں نہیں جانتا تم کون ہو۔ میں تمہیں

ملازمت نہیں دے سکتا۔ تم لئیرے معلوم ہوتے ہو۔۔۔ جاؤ۔“

اس کے بعد وہ اپنے نوکروں کو پکارنے لگا۔

”آؤ چلیں۔“ فریدی حمید کا ہاتھ پکڑ کر آہستہ سے بولا۔

”دو چار ہاتھ نہ جھاڑ دوں۔“

”نہیں..... بیکار باتیں نہ کرو۔“

وہ تیزی سے چلتے ہوئے کار کی طرف آئے اور پھر فریدی نے وہاں سے روانہ ہو جانے میں اتنی جلدی کی جیسے وہ سچ مچ کرئل اسمتھ سے دب گیا ہو۔

حمید بُری طرح جھلایا تھا۔ اگر وہ تنہا ہوتا تو شاید کرئل اسمتھ ہسپتال پہنچ گیا ہوتا۔

”یہ کیا کیا آپ نے۔“

”یہی مناسب تھا۔“

”اتنی عقل میں بھی رکھتا ہوں کہ یہ لوگ اپنے اُلوپن کارناز چھپانا چاہتے ہیں۔“

”جانتے ہو لیکن اس کے باوجود بھی میرے دماغ کے لئے دیمک بننے کی کوشش کرتے

ہو۔“ فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

”میرا خیال ہے کہ کئی بھی ختم کر دی گئی۔“

”ہاں۔ گھر میں تو اس کی موجودگی نہیں ثابت ہوتی۔“

حمید کچھ نہ بولا۔ کئی طرح کے خیالات اس کے ذہن میں گڈمڈ ہو گئے تھے اور وہ انہیں

مربوط کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سرشمشاد کا معاملہ اور دوسرے ساٹ آدمی جن میں کرئل اسمتھ

بھی شامل تھا کئی کی کہانی..... ٹوٹی کا قتل..... ان کا دوسرے سے کوئی تعلق نہیں ظاہر ہوتا تھا۔ لیکن

یہ بھی ممکن تھا کہ کئی نے اُسے اصلیت ہی سے نہ آگاہ کیا ہو۔ اس نے اُسے جی کارٹر کی کہانی

سنائی تھی۔ لیکن خود حمید کے پاس اس کا کیا ثبوت تھا کہ وہ کہانی درست ہی تھی اور اگر درست بھی

ہوتی تو اس کا کرئل اسمتھ اور دوسرے سات آدمیوں کے اُلوپن سے کیا تعلق ہوتا۔

وہ سوچتا رہا اور آخر اس نتیجے پر پہنچا کہ کئی خود ہی ان سارے حادثات کی ذمہ داری

ہو سکتی ہے کیونکہ اس کا ریکارڈ بھی اچھا نہیں تھا۔

دفترا فریدی نے ایک ٹیلی فون بوتھ کے قریب کار روک دی اور خود اتر گیا۔

حمید اس کی واپسی کا انتظار کرتا رہا۔ واپسی جلد ہی ہو گئی۔

”گھر پر کئی موجود ہے۔“ فریدی نے کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

”کس کے گھر پر۔“

”اپنے یہاں۔ میں نے نصیر کو فون کیا تھا۔ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ لیڈی شمشاد کی

طرف سے کوئی پیغام تو نہیں ہے لیکن وہ ایک برقعہ پوش یوریشین عورت کی کہانی لے بیٹھا۔“

”برقعہ پوش یوریشین عورت..... کیا مطلب.....“

”کئی برقعے میں آئی ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”حمید نے محسوس کیا کہ وہ کار کی رفتار

بدرتج تیز کرتا جا رہا ہے۔

کئی برقعے میں آئی ہے۔ وہ سوچنے لگا۔ تو کیا اس نے بھی خطرے کی بوسونگھ لی تھی۔

دفترا فریدی بولا۔ ”کیا تم کئی پر اعتماد کر لو گے۔“

”ہام.....!“ حمید نے ایک طویل سانس لی، تھوڑی دیر تک سر کھجنا تار رہا پھر بولا۔ ”کئی پر

آج سے دس سال پہلے ضرور اعتماد کر لیتا مگر اس وقت شاید وہ تمیں سے کسی طرح بھی کم نہیں

ہے۔ مگر یہ تو آپ نے بتایا ہی نہیں کہ اس سوال کا مقصد کیا ہے۔“

”ہو سکتا ہے خود کئی ہی نے کسی قسم کا جال پھیلایا ہو۔ کیا تم نے نہیں محسوس کیا کہ کرئل

اسمتھ اس سے کتنی نفرت ظاہر کر رہا تھا۔“

”جی ہاں..... لیکن میں نے یہ بھی دیکھا تھا کہ اُلو کے تذکرے پر اس کی حالت غیر ہو گئی تھی۔“

”بہت اچھے۔ تم غالباً یہ کہنا چاہتے ہو کہ اگر اس کی حالت غیر نہ ہوئی ہوتی تو صرف اسی

صورت میں کئی پر شبہ کیا جاسکتا۔ ہاں میں بھی یہی سوچتا ہوں۔ اُلو والا معاملہ بظاہر کئی یا اس کی

امکانی سازشوں سے متعلق نہیں ہو سکتا۔ کرئل اسمتھ اُلو کے تذکرے پر بہت زیادہ خوفزدہ نظر

آنے لگا تھا اور یہ کوئی بات بھی نہیں تھی۔ ان آٹھوں کا یہی حال ہے۔ وہ صرف خوفزدہ نظر آتے

ایں لیکن خوف کی وجہ کسی نے بھی نہیں بتائی۔ ہو سکتا ہے کرئل اسمتھ کئی سے اسی بناء پر متنفر ہو گیا

ہو کہ اس نے اُلو کی کہانی ہم تک پہنچائی تھی۔“

”کیا آپ نے اس کے انداز گفتگو پر غور کیا تھا۔“ حمید نے پوچھا۔

”جب تم کر سکتے ہو تو کیا وجہ ہے کہ میں.....!“

”اس کے متعلق کیا خیال ہے۔“ حمید نے فریدی کو جملہ پورا نہیں کرنے دیا۔

”وہ غالباً کسی کو اپنی گفتگو سنانا چاہتا تھا۔ لہذا غیر ضروری طور پر بلند آواز سے بول رہا تھا۔

اس غیر فطری انداز مخاطب کو ایک بچہ بھی محسوس کر لیتا۔ تم نے کونسا بڑا خیر مارا ہے حمید صاحب۔“

حمید کچھ نہ بولا۔ کچھ دیر بعد کار کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔

جیسے ہی وہ برآمدے میں داخل ہوئے نصیر نے فریدی کو ایک لفافہ دیتے ہوئے کہا۔

”صاحب وہ چلی گئی۔“

”ہوں.....!“ فریدی نے لفافہ چاک کر کے خط نکالا اور پھر اُسے فوراً ہی حمید کی طرف

بڑھا دیا۔

”ہائیں.....!“ حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

فریدی نصیر سے پوچھ رہا تھا۔ ”کیا وہ دینی عورت تھی جو پچھلی شام کو یہاں آئی تھی۔“

”جی نہیں۔ صاحب..... وہ تو نہیں تھی۔“

حمید فریدی کا منہ دیکھنے لگا اور فریدی نے کہا۔ ”اس نے صرف اتنا ہی بتایا تھا کہ وہ کوہ

برقہ پوش یوریشین لڑکی ہے۔ میں نے سوچا ممکن ہے کئی ہو..... لیکن.....!“

حمید نے ایک بار پھر خط پر نظر ڈالی جس میں تحریر تھا۔

”تم دونوں بھی آلو ہو۔ اس لئے آج رات اپنے انگوٹھوں کی اچھی طرح حفاظت کرنا۔“

## گردن اور چپٹیں

فریدی نے نصیر سے پوچھا۔ ”کیا اس نے کچھ دیر انتظار کیا تھا۔“

”جی ہاں۔ جب آپ کی کال آئی تھی میں نے اُسے بھی بتایا تھا کہ آپ جلد ہی واپس

آجائیں گے۔ لیکن اس نے لفافہ نکال کر دیا اور بولی کہ وہ اب دو منٹ بھی انتظار نہیں کر سکے

گی۔ یہ لفافہ آپ کو دے دیا جائے۔“

”ہوں.....!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”وہ بیٹھی کہاں تھی۔“

”ڈرائنگ روم میں۔“

”چلو مجھے بتاؤ۔ کہاں۔“ فریدی ڈرائنگ روم کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

نصیر نے ڈرائنگ روم کی ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا اور فریدی جھک کر اس کے ہتھوں

کا جائزہ لینے لگا۔ تقریباً دس منٹ تک وہ مشغول رہا پھر سیدھا کھڑا ہو کر محدب شیشہ جیب میں

ڈالتا ہوا بولا۔ ”بہت چالاک تھی۔ اس نے کسی قسم کے نشانات نہیں چھوڑے۔“

حمید نصیر سے اس کا حلیہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔

نصیر کبھی کبھی بتاتا اور کبھی کبھی شاید اُسے حلیہ یاد ہی نہیں تھا۔ یا وہ لڑکی ہی اتنی چالاک تھی کہ

اس نے کسی کو بھی اپنا تفصیلی جائزہ نہ لینے دیا ہو۔

”اب مجھے یقین آ گیا ہے کہ وہ ٹیوڈا ہی ہو سکتا ہے۔“ فریدی نے کچھ دیر بعد کہا۔

”وہ کوئی بھی ہو۔“ حمید غمگین آواز میں بولا۔ ”میں اسے پسند نہیں کروں گا کہ کسی کو ٹھینکا

دکھانے کے قابل بھی نہ رہ جاؤں۔“

”فضول باتیں نہ کرو۔“ فریدی نے خشک لہجے میں کہا وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

”مگر اس خط میں وضاحت نہیں ہے کہ انگوٹھے ہاتھ کے ہوں گے یا پیر کے۔“ حمید بولا۔

نیلیم اس وقت کوٹھی میں موجود نہیں تھی ورنہ شاید وہ فائدے ہی میں رہتے۔ جب وہ

واپس آئی اور اُسے واقعات کا علم ہوا تو اس نے بے تحاشہ ہنس شروع کر دیا اور حمید کو اس قدر

پریشان کیا کہ اسے اپنے کمرے میں بند ہو جانا پڑا..... وہ اُسے اسی طرح پریشان کرتی تھی۔

کچھ دیر تک اُس نے کمرے کا دروازہ نہیں کھولا۔ پھر باہر نکلنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ

فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ریسپور اٹھا لیا۔ فریدی نے تجربہ گاہ سے اُسے مخاطب کیا تھا۔



”یہاں آ جاؤ۔“ اس نے کہا۔ ”نیلیم شمشاد ولا جا چکی ہے۔“

”ارے تو کیا میں نیلیم سے ڈرتا ہوں۔“ حمید نے جھلا کر کہا۔

”یہ تم ہی بہتر جان سکتے ہو۔“

”وہ شمشاد ولا کیوں گئی ہے۔“

”ایک اسکیم ہے۔ وقت نہ برباد کرو۔ یہاں آ جاؤ۔“

حمید نے ایک طویل سانس کیساتھ ریسیور کرڈیل میں رکھ دیا اور دروازہ کھول کر باہر نکلا۔

فریدی تجربہ گاہ میں تھا اور حمید کو وہ بیکار ہی نظر آیا یعنی وہ نہ تو ”تجربے“ کی میز پر تھا

اور نہ اس طرف تھا جہاں میک اپ کا سامان رہتا ہے۔

”میرا خیال ہے کہ تم اس لفافے کے متعلق بہت کچھ سوچتے رہے ہو۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

”نہیں۔ ضرورت ہی کیا تھی۔ اس قسم کے دعوت ناموں کا انجام پلاؤ اور بریانی کے علاوہ

اور کیا ہو سکتا ہے۔“

”حمید سنجیدگی اختیار کرو۔ کہیں کچ مجھ تمہیں اپنے انگوٹھے سے ہاتھ نہ دھونے پڑیں۔“

”اس کے بعد ہاتھ دھونے ہی پڑیں گے۔“ حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ لیکن ٹھیک

اسی وقت تجربہ گاہ کے فون کی گھنٹی بجی۔

دوسری طرف سے بولنے والا نصیر تھا۔ اس نے اطلاع دی کہ خواب گاہ والے فون پر

فریدی کی کال ہے۔

”اسی فون سے نکلت کر دو۔“ فریدی نے کہا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ”ہیلو! ایس

فریدی اسپیلنگ۔ کون جی کارڈر۔۔۔۔۔ مگر میں کسی جی کارڈر سے واقف نہیں۔۔۔۔۔ اوہ۔۔۔۔۔ مگر ٹھہرو۔۔۔۔۔

تم ٹوٹی کے ساتھیوں میں سے تو نہیں ہو۔ اچھا۔۔۔۔۔ دیکھو۔۔۔۔۔ فوراً کو تو ای پہنچ جاؤ۔ یہ

میرا نیک مشورہ ہے۔ پولیس کو تمہاری ضرورت ہے۔ ٹوٹی کے قتل کے سلسلے میں۔ ہاں پچھلی

رات۔۔۔۔۔ کسی نے ٹوٹی کو قتل کر دیا۔۔۔۔۔ کیوں۔۔۔۔۔ ہاں کیپٹن حمید موجود ہیں مگر تم ان سے جو کچھ

بھی کہنا چاہتے ہو مجھ سے کہو۔۔۔۔۔ اچھا۔۔۔۔۔ ٹھہرو۔۔۔۔۔

وہ خاموش ہو کر حمید کی طرف مڑا۔

اب ریسیور حمید کے ہاتھ میں تھا اور وہ پلکیں جھپکاتا ہوا کہہ رہا تھا۔ ”ہیلو۔۔۔۔۔ حمید

اسپیلنگ۔۔۔۔۔!“

”کیپٹن۔۔۔۔۔ میں جی کارڈر ہوں۔ خدا کے لئے بتائیے کہ کئی کا کیا حشر ہوا۔ ٹوٹی کی موت

کی خبر تو میں نے سن ہی لی۔“

”میں نہیں جانتا کہ تم کس کئی کا تذکرہ کر رہے ہو۔“ حمید نے خشک لہجے میں کہا اور فریدی

نے اس انداز میں اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی جیسے وہ حمید کے اس جواب سے مطمئن ہو۔

دوسری طرف سے بولنے والا کہہ رہا تھا۔ ”اوہ کیپٹن۔۔۔۔۔ وہ عورت جو پچھلی رات کو آپ

کے ساتھ ہائی سرکل نائٹ کلب میں تھی۔“

”اوہ۔۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔۔ کرنل اسمتھ کی بیوی۔ ہاں تھی تو۔“

”میں کئی پرسکس کی بات کر رہا ہوں کیپٹن۔ وہ کسی کرنل اسمتھ کی بیوی نہیں ہے۔“

”اگر وہ کسی کرنل اسمتھ کی بیوی نہیں ہے تو میں کسی کئی پرسکس کو نہیں جانتا۔ ہاں وہ مقتول

ٹوٹی ضرور اس کے ساتھ تھا۔“

دوسری طرف سے ہلکی سی ہنسی کی آواز آئی جو یقیناً اضطرابی ہی تھی۔ کیونکہ اس کے بعد

بولنے والے کے لہجے میں مزید سنجیدگی کا اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ”ممکن ہے اس نے

آپ کو بھی بتایا ہو کہ وہ کسی کرنل اسمتھ کی بیوی ہے۔ خیر بہر حال میں آپ سے صرف اس

عورت کی خیریت دریافت کرنا چاہتا ہوں۔“

”میرے ساتھ ہر قسم کی عورتوں کی خیریت ہی رہتی ہے، خواہ کسی کی بیوی ہوں۔“

”میں پوچھتا ہوں وہ زندہ ہے یا مگر۔“ دوسری طرف سے جھلا کر کہا گیا۔

”اگر مری نہ ہوگی تو زندہ ہی ہوگی۔“

”خدا سمجھے۔ اچھا اگر آپ کسی بہت بڑے مجرم پر ہاتھ ڈالنا چاہتے ہوں تو ہیویشام لاج

کے گرد گھیرا ڈال دیجیے۔“



”میں فی الحال صرف شام کی چائے پینا چاہتا ہوں۔ مگر تم ہو کہاں۔ کو تو ابی آ کر ٹونی کے سلسلے میں اپنی پوزیشن صاف کرو۔ میرا خیال ہے کہ ٹونی کے قاتل تم ہی ہو سکتے ہو۔“

”یہ خیال نہیں بلکہ مجھ پر سراسر ظلم ہے۔“

”کیوں.....!“ حمید غرایا۔

”کیونکہ اگر میں بھی پچھلی رات ہوشیار نہ رہتا تو میرا بھی وہی حشر ہوتا جو ٹونی کا ہوا ہے۔“

”کیوں.....؟“

”کیا کئی نے میرے متعلق کوئی گفتگو کی تھی۔“

”میں تمہیں نہیں پہچانتا۔ ویسے تمہارا نام ٹونی کے دوستوں کی فہرست میں ضرور دیکھا تھا۔“

”یہ حیرت کی بات ہے کہ آپ ٹونی کو پہچانتے ہیں اور مجھے نہیں پہچانتے۔“

”میں اسے بھی نہیں پہچانتا تھا۔ آج اس کی لاش دیکھ کر خیال آیا کہ اس آدمی کو تو پچھلی

رات سزا سمٹھ کے ساتھ دیکھا تھا اور پھر اس کا نام بھی معلوم ہوا..... مگر تم ہو کہاں؟“

”یہ اسی صورت میں بتاؤں گا جب میری حفاظت کا ذمہ لیں۔“

”فضول باتیں نہ کرو۔ بتاؤ ورنہ ہو سکتا ہے کہ کوئی بڑی مصیبت تمہاری منتظر ہو۔“

”اس سے بڑی مصیبت اور کیا ہوگی کہ میں کھلے آسمان کے نیچے آنے کی ہمت نہیں

کر سکتا۔ سنئے کیپٹن۔ میں نے کسی قسم کا کوئی فراڈ نہیں کیا۔ بلکہ خود ہی فراڈ کا شکار ہوتا رہا ہوں

اور ٹونی کے قتل کے ذمہ دار صرف آپ ہیں اور آپ کی وجہ سے میں بھی موت کے گھاٹ اتر چکا

ہوتا۔ مگر کئی..... خدا کے لئے بتا دیجئے کہ اس کا کیا حشر ہوا؟“

”بکواس بند کرو۔“ حمید نے ریسور کریڈل میں ڈال دیا۔

”کیوں؟“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

”ضروری نہیں کہ وہ جی کارٹر ہی رہا ہو۔ ابھی ابھی ہم ایک برقعہ پوش عورت پر کئی

دھوکہ کھا چکے ہیں۔“

”وہ جی کارٹر ہی تھا۔ میں اس کی آواز پہچانتا ہوں۔“

”رہا ہوگا۔“ حمید نے لاپرواہی سے کہا۔ ”خواہ مخواہ دماغ چاٹ رہا تھا۔“

”کہا کیا اس نے۔“

حمید برا سامنہ بنائے ہوئے اس کی گفتگو دہراتا رہا۔

”تم سے حماقت سرزد ہوئی حمید۔“ فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ ”اسے کچھ دیر اور

الجھائے رہتے۔ دوسرے فون پر انکو اڑی سے معلوم کر لیتا کہ وہ کہاں سے بول رہا ہے۔“

”تو کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ سامنے نہیں آئے گا۔“

”موت کا خوف پولیس کے خوف سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔“

”آپ نے یقین کر لیا اس کی بکواس پر۔“

”نہ یقین کرنے کی صورت میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ جی کارٹر ہی کسی سازش کا بانی ہے

اور اگر انکو ابی سازش سے اس کا علاقہ جوڑ دو تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ کم از کم جی کارٹر جیسے کندہ

ناتراش کرنل اسمتھ کو خائف نہیں کر سکتے۔ تم کرنل اسمتھ کو کیا سمجھتے ہو۔ یہ وہ شخص ہے جسے ایک

بار میں نے بھی قانونی گرفت میں لینے کی کوشش کی تھی مگر نام کام رہا تھا۔“

”کئی کی کہانی میں آپ کو سنا چکا ہوں۔“

”ہاں..... آں..... نہ میں اس کی صحت سے انکار کر سکتا ہوں اور نہ یہی کہہ سکتا ہوں کہ

اس نے سب کچھ غلط کہا تھا۔ اس کے بیان کی تائید صرف ٹونی ہی کر سکتا تھا۔ مگر ہم اس سے اس

وقت ملے جب وہ کسی قابل ہی نہیں رہ گیا تھا۔ اب فی الحال تا وقتیکہ کئی سے دوبارہ ملاقات نہ

ہو ہم کوئی رائے قائم نہیں کر سکیں گے۔ ویسے تمہیں کارٹر کی بات بھی سننی چاہئے تھی۔“

”ہیویشام لاج کے گرد گھیرا ڈال دیجئے۔“ حمید نے برا سامنہ بنا کر کہا۔

”آج نہیں..... آج تو ہر حال میں وہی کرنا ہوگا جو میں سوچ چکا ہوں۔“

”انگوٹھوں کی حفاظت۔“ حمید کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ تھی۔

”نہیں شاید اب کسی کی گردن کی حفاظت کرنی پڑے۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”ضروری نہیں ہے کہ سب کچھ تمہاری سمجھ ہی میں آ جائے۔“

”پھر مجھے بلایا کیوں تھا۔“

”یہ بتانے کے لئے کہ آج رات تاروں کی چھاؤں میں بسر کرنی پڑے گی۔“

”کہاں؟“

”ابھی سے اس فکر میں نہ پڑو۔ جاؤ.....! فریدی نے کلائی کی گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔“

نوبے سے پہلے نہ روانہ ہوں گے۔ لہذا اگر تم کچھ دیر سونا بھی چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔“

”اعتراض تو آپ کو اس پر بھی نہ ہوگا اگر میں دو چار رائفلیں چبا ڈالوں یا ایک آد ریوالور نگل لوں۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ اس الماری کی طرف متوجہ ہو گیا جس میں کئی رنگوں کے سیار متعدد درجہ جہازوں میں نظر آ رہے تھے۔

حمید نیچے چلا آیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ فی الحال شمشاد والا کے علاوہ اور کوئی ایسی عمارت نہیں۔

جو فریدی کی توجہ کامرکز بن سکے کیونکہ آٹھوں آلوؤں میں سے ایک اپنے جسم کا ایک حصہ ہذاہر طور پر کھو چکا تھا اور وہ تھما سر شمشاد۔ نیلم بھی وہیں بھیجی گئی تھی۔ مگر نیلم؟ وہ وہاں کیا کرے گی۔

حمید نے فون کا ریسور اٹھا کر تجربہ گاہ سے سلسلہ ملایا۔ کچھ دیر بعد دوسری طرف۔

فریدی کی آواز آئی اور حمید نے پوچھا۔ ”نیلم وہاں بھیجی گئی ہے۔“

”نیلم ایک تجربہ کار نرس کے فرائض بخوبی انجام دے سکتی ہے۔“

”اوہ..... اور آپ کا خیال ہے کہ وہ سر شمشاد کی زبان کھلوانے میں کامیاب ہو جائے گی۔“

”امید پر دنیا قائم ہے۔“

”کیا.....؟“

”اب کچھ بھی نہیں۔“ فریدی نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا اور حمید جھلاہٹ میں رہا۔

کریڈل پر پختا ہوا آرام کرسی میں ڈھیر ہو گیا۔ اسے یقین تھا کہ رات ضرور برباد ہوگی۔

لئے اس نے جج جج اوگھنا شروع کر دیا۔

اونگھنے کے بعد سو جانے ہی کا اسٹیج آتا ہے۔

پھر تقریباً آٹھ بجے فریدی ہی نے اُسے جگایا۔ خود باہر جانے کے لئے تیار نظر آ رہا تھا۔ حمید نے تیاری کی اور رات کے کھانے میں ایک گھنٹہ صرف کر دیا۔ خود فریدی نے کافی کے دو کپ پر استفا کی تھی۔

ویسے حمید کا یہ خیال درست ہی نکلا کہ فریدی کی توجہ کامرکز شمشاد والا ہی ہو سکتی ہے۔ کار عمارت سے کافی فاصلے پر چھوڑی گئی اور وہ دونوں پیدل چلتے ہوئے عمارت کی پشت پر آئے۔ یعنی وہ عقبی پارک کی چار دیواری کے نیچے کھڑے تھے۔

فریدی نے ٹارچ کی روشنی میں دیوار پر کوئی ایسی جگہ تلاش کرنی شروع کر دی جسے اوپر پہنچنے کا ذریعہ بتایا جاسکتا۔ اوپر پہنچ کر دوسری طرف اتر جانا مشکل کام نہ ہوتا کیونکہ دیوار زیادہ اونچی نہیں تھی۔

وہ جلد ہی اوپر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے اور پھر دوسری طرف بھی اتر گئے۔ یہ اور بات

ہے کہ حمید کے کشتوں کی خراشیں کافی دیر تک اُسے بڑبڑاتے رہنے پر مجبور کرتی رہی ہوں۔

نیچے پہنچنے ہی اس نے سوال کیا تھا۔ ”کیا اب کسی کنوئیں میں بھی چھلاگ لگانی پڑے گی۔“

”نہیں.....!“ فریدی نے جواب دیا۔ ”ہم صرف ایک کھڑکی کی حفاظت کریں گے۔“

”اسی کھڑکی سے لنک کریا کھڑکی ہی ہمارے پاس چلی آئے گی۔“

”بس دیکھتے رہو۔“ فریدی نے کہا اور ایک طرف چلنے لگا۔

کمپاؤنڈ سنسان اور تاریک پڑی تھی۔ البتہ عمارت کی بعض کھڑکیاں روشن تھیں لیکن دبیر

پردوں اور رنگین شیشوں کی وجہ سے عکس کا اثر کمپاؤنڈ کی فضا پر نہیں پڑا تھا۔

وہ مانتی کی جھاڑیوں سے لگے ہوئے مشرق کی طرف چلتے رہے۔ اچانک قریب سے

آواز آئی۔ ”ٹریج“ اور فریدی چلتے چلتے رک گیا۔

حمید نے بھی وہ آواز سنی تھی اور اسے کسی پرندے کی آواز سے زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔

وہ فریدی سے آگے بڑھنے کو کہنے ہی والا تھا کہ ویسی آواز پھر آئی اور اس بار حمید نے اس کا

اندازہ بھی کیا وہ آواز کہاں سے آئی تھی۔

دوسرے ہی لمحے میں فریدی آواز کی سمت مالتی کی جھانزیوں میں گھس پڑا۔ حمید کو ساتھ دینا ہی تھا۔ دم گھٹ رہا تھا تو گھٹا کرے۔ وہ بھی چپ چاپ اس کی تقلید کرتا رہا۔  
اسے توقع تھی کہ فریدی اس پرندے کو پکڑ کر انسانیات کا سبق پڑھائے گا کیونکہ اس نے خواہ مخواہ راہ کھوٹی کی تھی۔

اس نے اس کے ہاتھ میں محدود روشنی والی نارنج بھی روشن دیکھی لیکن وہ تو زمین پر بیٹھ رہا تھا یہ اور بات ہے کہ حمید اس سے پہلے ہی بیٹھ گیا ہو۔ مگر اس کے انداز میں جھلاٹیں چیخ رہی تھیں۔

”جم چکی بارات۔“ اس نے دانت پیس کر فریدی سے پوچھا۔

”بالکل۔“

”تو میں اب سہرا گانا شروع کر دوں۔“

”ابھی نہیں۔“ فریدی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ حمید اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ رہا تھا اور اس کے کان دوبارہ اسی آواز کو سننے کے منتظر تھے۔

تقریباً دس منٹ تک وہ خاموش بیٹھا رہا۔ مگر پھر بوریت بڑھتی ہی گئی اور اسے بولنا پڑا۔  
”وہ کھڑکی کہاں ہے؟“

”سامنے جس کے شیشوں سے مدہم نیلی روشنی نظر آ رہی ہے۔“

”اوہ..... شاید وہ سر شمشاد کی خواب گاہ ہے۔“

”تمہارا خیال غلط نہیں ہے۔“

”مگر وہ آواز کیسی تھی جسے سن کر آپ ر کے تھے اور دوسری ”ٹریج پز“ یہاں آ بیٹھے تھے۔“

”مجھے جھانزیوں نے پکارا تھا۔“ فریدی نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

”ارے تو یہ آسمان کیوں گونگا ہو گیا ہے۔ کب پکارے گا مجھے۔“

”جب تم دو چار بچوں کی سرپرستی میں بیوہ ہو جاؤ گے اور اب خاموش بیٹھو۔“

”صرف ایک بات اور.....!“

”یکو.....!“

”ہم نے یہاں کس توقع پر ڈیرا لگایا ہے۔“

”اس توقع پر کہ آج سر شمشاد کی خیر نہیں نظر آتی۔“

”یعنی کہ آج پھر.....!“

”ہاں..... اور تم اپنے انگوٹھوں کی طرف سے محتاط رہنا۔“

حمید کچھ نہ بولا۔ اب وہ کچھ کہنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ سر شمشاد کی ”بے خبری“ کا منظر دیکھنے کے لئے آفتاب کا انتظار کرنا پڑتا لہذا زبان کیوں تھکائی جائے۔

سردی اچھی خاصی تھی۔ حمید کان دبائے بیٹھا رہا۔ ایسے مواقع پر وہ ہمیشہ یہی کرتا تھا۔ پہلے کانوں کی مالش کرتا اور پھر انہیں دونوں ہاتھوں سے اس طرح ڈھانک لیتا کہ ہوا لگنے کی گنجائش نہ ہوتی۔

دور کسی گھڑیاں نے گیارہ بجائے۔ گھنٹوں کی گونج ختم ہوتے ہی ایسا محسوس ہوا جیسے اندھیرے میں چاروں طرف سانے نے یلغار کر دی ہو۔ پتہ نہیں حمید اٹکھ رہا تھا یا کسی خوفناک فلمی کہانی کا ماحول اس کے ذہن میں انگڑائیاں لینے لگا تھا۔

اچانک کسی عورت کی چیخ سنائی دی اور حمید بے تحاشہ اچھل پڑا۔ اگر فریدی نے اس کی گردن پکڑ نہ لی ہوتی تو شاید وہ آواز کی سمت دوڑ پڑتا۔

”ارے..... بچاؤ..... بچاؤ۔“ بڑی جگر خراش چیخیں تھیں۔

پھر دفعتاً جھانزیوں میں بھونچال سا آگیا اور شاید دو آدمی ان کے قریب ہی سے آواز کی طرف دوڑتے چلے گئے۔ چیخیں بدستور فضا میں انتشار برپا کر رہی تھیں۔ لیکن فریدی کا ہاتھ حمید کی گردن سے نہ ہٹا۔

”چھوڑیے۔“ حمید نے جھجکا دیا۔ شاید وہ سنک ہی گیا تھا۔

”نہیں فرزند۔ اگر میں نے اس وقت تمہیں چھوڑ دیا تو مجھے زندگی بھر افسوس رہے گا۔“

”میں پاگل ہو جاؤں گا۔ آخر یہ کیا تماشہ ہے۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کا ہاتھ حمید کی گردن پر جمار ہا اور عورت چیختی رہی۔

## سفید چور

حمید کی حالت بالکل ایسی ہی تھی جیسے بھنگ کے دو چار گلاس چڑھا گیا ہو۔ بس ایک چڑ اس کے ذہن میں بیٹھ گئی تھی۔ کسی طرح گردن چھڑائے اور وہاں سے بھاگ نکلے۔ اس کو جدوجہد برابر جاری رہی۔

”اوگدھے تم چین سے بیٹھتے ہو یا بچ مچ تمہارا گلابی گھونٹا پڑے گا۔“

”گھونٹ دیجئے..... یہ کیا مذاق ہے واہ۔“

”واہ کے بچے..... خاموش رہو۔“

اس بار فریدی کے لہجے نے حمید کا خون منجمد کر دیا اور اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے ہو گئے اسے بالکل یہی محسوس ہوا تھا جیسے کوئی بھیڑیا اس کے کان میں غرایا ہو۔ اسے ہوش بھی آگیا شاید نیند کے ہچکولوں نے اس کے ذہن کے کسی تاریک گوشے کی کوئی گرہ ابھار دی تھی۔ حالانکہ وہ دن میں بھی سوچا تھا اور سوتے ہی سے اٹھ کر یہاں آیا تھا لیکن پھر بھی نہ جانے کیوں آئیند اس کے ذہن پر اس طرح مسلط ہو گئی تھی۔

اسے ساکن ہوتے دیکھ کر فریدی نے بھی گرفت ڈھیلی کر دی۔

اب عورت کی چیخیں تو نہیں سنائی دے رہی تھیں لیکن شاید یہ آواز کی سمت دوڑنے والا کاشور تھا جو اب بھی سنا جاسکتا تھا۔

دفعۃ فریدی کے منہ سے ہلکی سی آواز نکلی اور حمید چونک پڑا۔ قدرتی امر تھا کہ اس کی اس کھڑکی کی طرف اٹھ جاتی جس کا حوالہ فریدی نے دیا تھا۔ کھڑکی بدستور بند تھی لیکن ٹھیک

کھڑکی کی سیدھ میں شاید انہیں دروازہ کھلنے کا پتہ بھی نہ چلتا لیکن اندر کی روشنی سے انہیں بڑی مدد ملی اور انہوں نے باہر نکلنے والے کو بھی دیکھ لیا۔ حالانکہ دروازہ اب بند ہو چکا تھا مگر تاروں کی چھاؤں میں اس نامعلوم آدمی کی پرچھائیں صاف نظر آ رہی تھیں۔ وہ اپنی پشت پر کوئی وزنی چیز اٹھائے ہوئے تھا۔ جس کے بارے سے اسے کسی قدر جھک جانا پڑا تھا۔ مگر اس کے باوجود بھی اس کی رفتار بہت تیز تھی۔ وہ اسی طرف جا رہا تھا جدھر سے یہ دونوں کپاؤنڈ میں داخل ہوئے تھے۔

”اچھا بیٹے خاں۔“ فریدی حمید کا شانہ تھپتھاتا ہوا بولا۔ ”تم یہیں ٹھہرو۔ دس منٹ بعد جو

دل چاہے کرنا۔“

حمید کے کچھ بولنے سے پہلے ہی وہ کسی تیز رفتار سانپ کی طرح رینگتا ہوا جھاڑیوں سے نکل گیا۔ وہ بُری طرح بوکھلایا ہوا تھا ورنہ یہ ضرور دیکھتا کہ فریدی کا رخ اس نامعلوم آدمی کی طرف تھا یا اس آواز کی طرف جسے سن کر اس نے احمقوں کی طرح اچھل کود مچائی تھی۔ وہ کئی منٹ تک اندھیرے میں آنکھیں پھاڑتا رہا۔

”دس منٹ“ وہ آہستہ سے بڑبڑایا اور دونوں ہاتھوں سے اپنے کان ملنے لگا۔

پھر دس کیا میں منٹ گزر گئے اور وہ احمقوں کی طرح وہیں بیٹھا رہا۔ پھر اچانک چند آوازوں نے اُسے چونکا دیا۔ کچھ لوگ ہاتھوں میں پیرو میکس لیمپ لئے اسی طرف آ رہے تھے۔ ان میں اسے امرنگھ اور سارجنٹ ریش بھی نظر آئے اور اب اس نے سوچا کہ اُسے بھی ان میں جاملنا چاہئے۔ امر اور ریش کو دیکھتے ہی اس کے ذہن پر چھائی ہوئی دھند چھٹ گئی تھی اور اب وہ سوچ رہا تھا کہ اس سے حقیقتاً ایک بہت بڑی غلطی سرزد ہونے والی تھی۔

ان لوگوں کے انداز سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کسی کی تلاش میں ہیں اور خوف تو ان کی کاپٹی ہوئی آوازوں ہی سے مبرخ تھا۔

حمید اس وقت باہر نکلا جب وہ لوگ کافی دور نکل گئے اور اب وہ بھی تیز رفتاری سے انہیں کی طرف جا رہا تھا۔ اس نے امرنگھ اور سارجنٹ ریش کو آوازیں بھی دیں وہ لوگ رک گئے۔

”کیا بات ہے۔“ اس نے قریب پہنچ کر پوچھا۔

”اوہ..... کپتان صاحب۔“ یہ امر سنگھ کی آواز تھی۔ ”وہ ایک نقاب پوش تھا۔“  
”کون.....؟“

”جس نے ایک ملازمہ کی گردن دبا لی تھی۔ عورت کا بیان ہے کہ وہ سر سے پیر تک سیاہ لباس میں تھا۔ صرف آنکھوں کی جگہ دوسوراخ تھے۔“  
”عورت کہاں ہے۔“

”اپنے کوارٹر میں۔ اس کی حالت ابتر ہے۔“

ایک بیک عمارت سے پھر شور بلند ہوا اور کئی کھڑکیاں کھلیں۔ یہ لوگ پھر عمارت کی طرف دوڑے مگر اب حمید اپنی بدحواس کردینے والی جہالت پر قابو پا چکا تھا۔ اس نے امر سنگھ یا رمیش کو اس طرح دوڑنے سے نہیں روکا مگر خود آہستہ آہستہ چلتا رہا۔ اس کا خیال تھا کہ فریدی نے اس سے جو کچھ بھی کہا تھا کسی خاص مقصد ہی کے تحت کہا تھا۔ اس لئے اس کے جانے کے دس منٹ بعد وہ سوچ سمجھ کر ہی قدم اٹھانا چاہتا تھا۔

عمارت میں قدم رکھتے ہی اسے شور کی وجہ معلوم ہو گئی۔ سر شمشاد اپنی خواب گاہ سے غائب تھا۔ لیڈی شمشاد حمید کو دیکھ کر رو پڑی۔

”آپ بالکل پریشان نہ ہوں۔“ حمید نے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ سر شمشاد کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔“

لیکن وہ روتی ہی رہی۔ اس وقت اگر کچھ کہنا بھی چاہتی تو زبان خیالات کا ساتھ نہ دے سکتی۔ کمپاؤنڈ میں کسی نقاب پوش کی تلاش اب بھی جاری تھی۔ حمید لیڈی شمشاد کو روتا چھوڑ کر پھر باہر آ گیا۔ وہ رمیش اور امر سنگھ سے مفصل گفتگو کرنے کے لئے بے چین تھا۔ آخر وہ ایک جگہ مل ہی گئے۔

”کیا قصہ تھا۔ تم لوگ یہاں کیسے پہنچے۔“ اس نے پوچھا۔

”کرنل صاحب نے ڈیوٹی لگائی تھی۔ ہم ادھر مالتی کی جھاڑیوں میں تھے۔“ رمیش نے

جواب دیا۔

”مالتی کی جھاڑیوں میں۔“ حمید نے حیرت سے دہرایا اور رمیش ہنسنے لگا۔  
”آپ کو علم نہیں تھا۔“ امر سنگھ نے پوچھا۔

”اس سے تمہیں کیا سروکار..... جو میں پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو۔ تمہاری ڈیوٹی یہاں کس لئے لگائی گئی تھی۔“

”ہمیں شمشاد کی خواب گاہ کی عقبی کھڑکی کے سامنے والی جھاڑیوں میں چھپنا تھا۔ کرنل کا حکم تھا کہ ہم کسی ہنگامے کی آواز سنیں تو فوراً ہی جھاڑیوں سے نکل کر اسی طرف دوڑتے چلے جائیں۔ جب آپ دونوں وہاں پہنچے تھے تو میں نے ہی اپنی آواز سے آپ لوگوں کو چھپنے کی جگہ بتائی تھی۔“

”اوہ.....!“ حمید کچھ سوچنے لگا۔ اب حقیقت اس پر روشن ہو گئی۔ گویا کرنل نے مجرموں کو دھوکا دیا تھا۔ اُسے علم تھا کہ آج رات شمشاد دلا میں کوئی نہ کوئی واقعہ پھر ظہور پذیر ہوگا۔ لیکن مجرم اس سلسلے میں کس قسم کا جال بچھائیں گے۔ مزید وضاحت کے لئے حمید نے چیخنے والی عورت کا تذکرہ چھیڑ دیا۔

”جی ہاں۔“ امر سنگھ آہستہ سے بولا۔ ”وہ ملازمہ اپنے کوارٹر میں تنہا تھی۔ دفعتاً اُسے کھڑکی میں ایک ڈراؤنی شکل نظر آئی اور وہ چیخنے لگی۔ پھر وہ نقاب پوش کھڑکی سے اندر آ گیا اور اس وقت تک رہا جب تک عورت بے ہوش نہیں ہو گئی۔ ہم جب پہنچے ہیں تو وہاں اس بے ہوش عورت کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا اور وہ کھڑکی بھی اندر ہی سے بند تھی۔“

”ہوں..... تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی سر شمشاد کو کوشی سے اٹھالے جانا چاہتا تھا لیکن اسے شبہ تھا کہ پولیس بھی پہلے ہی سے ہوشیار ہوگی۔ اس لئے اس عورت کو ڈرایا گیا۔ ظاہر ہے اس کی چیخیں سن کر جو یہاں ہوتا آواز کی طرف دوڑ جاتا اور پھر وہ نہایت اطمینان سے سر شمشاد کو نکال لے جاتے۔“

”اور نکال بھی لے گئے۔“ سر جنت رمیش نے کہا۔

اس پر حمید کچھ نہیں بولا۔

”کرئل صاحب کہاں ہیں۔“ امرنگھ نے پوچھا۔

”پتہ نہیں۔ مجھے علم نہیں۔ تم نے ابھی کہا تھا کہ جب ہم دونوں جھاڑیوں کے قریب پہنچے تھے تو تم نے کسی قسم کی آواز نکال کر ہمیں متوجہ کیا تھا۔ یہ کس کا قصہ ہے۔ میں تو ابھی ابھی آیا ہوں۔“

”نہیں.....!“ امرنگھ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

”پتہ نہیں..... تم لوگ کیا کر بیٹھے ہو۔“ حمید بڑا سامنے بنا کر بولا۔ ”میں نے دوپہر سے کرئل کو نہیں دیکھا۔“

امرنگھ اور رمیش کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

”چلو..... جاؤ..... تلاش کرو سر شمشاد کو۔“ حمید نے ہاتھ ہلا کر کہا اور وہ دونوں چپ چاپ کھسک گئے۔ حمید نے انہیں یقینی طور پر الجھن میں مبتلا کر دیا تھا۔

اب اُسے نیلم کی فکر ہوئی۔ وہ بھی یہیں تو تھی اور اُسے تو سر شمشاد کی خواب گاہ ہی میں موجود ہونا چاہئے تھا کیونکہ وہ ایک نرس کی حیثیت سے یہاں آئی تھی۔

کونٹی میں کسی کے حواس بجا نہیں تھے۔ آہستہ آہستہ حمید کو واقعات کا علم ہوسکا اُسے یہ بھی معلوم ہوا کہ نیلم خواب گاہ میں بے ہوش پائی گئی تھی اور سر شمشاد بستر سے غائب تھا۔

کچھ دیر بعد حمید نیلم کے پاس پہنچ گیا۔ وہ اب ہوش میں آگئی تھی۔ حمید کو دیکھ کر مسکرائی اور آہستہ سے بولی۔ ”وہ گھر کا ایک ملازم ہی تھا بابا۔ میں نے ابھی یہ بات کسی کو نہیں بتائی۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”سر شمشاد سو رہے تھے، میں کمرے ہی میں تھی۔ اچانک میں نے کسی عورت کی چیخیں سنیں اور ٹھیک اسی وقت وہ کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ جس کا رخ میری طرف کر دیا گیا میں نے ہاتھ اٹھا دیئے لیکن ایک بیک اس پستول سے ہلکا سا غبار نکل کر میرے چہرے پر پڑا..... اور..... بابا..... میں کیا بتاؤں کہ میں کتنی جلدی بے ہوش ہو گئی۔ کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع نہ مل سکا۔ ہاتھ پیر ہلانا تو بڑی بات تھی۔“

”کسی دن تم اسی طرح مر جاؤ گی۔“

”مرنا تو ایک دن کبھی کو ہے لیکن میں تمہاری طرح نہیں مرنا چاہتی۔“

”کرئل نے تمہیں کیا ہدایت دی تھی۔“

”کچھ بھی نہیں..... بس اتنا ہی کہا تھا کہ مجھے سر شمشاد کی دیکھ بھال کرنی ہوگی۔“

”اور کچھ.....!“

”اور کچھ بھی نہیں۔ مگر اب مجھے کیا کرنا ہے۔ سر شمشاد تو گئے۔“

”اب تم چپ چاپ گھر واپس جاؤ۔“ حمید نے خواہ مخواہ غصیلے لہجے میں کہا اور نیلم اُسے گھورنے لگی۔

”کیا ہو گیا ہے تمہیں۔“ اس نے کہا۔

”مجھے خاموش ہو گیا ہے۔“

”موڈ بہت خراب ہے؟“

”ہونا ہی چاہئے۔ میں ایک شریف آدمی ہوں۔ مجھے ان لغویات سے کیا سروکار۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ یہاں سے جاؤ۔“

”انکل کی اجازت حاصل کئے بغیر میں یہاں سے ہلوں گی بھی نہیں۔“

حمید بھلا کر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ لیڈی شمشاد کمرے میں داخل ہوئی۔

”فریدی کہاں ہیں۔“ اس نے پوچھا۔

”مجھے علم نہیں ہے۔ میں نے دوپہر سے انہیں نہیں دیکھا۔ ویسے یہاں کے لئے انہوں نے اپنے کئی آدمیوں کو ہدایات دی تھی۔“

”اب کیا ہو سکتا ہے۔“ لیڈی شمشاد نے گلوگیر آواز میں کہا۔

”وہ دراصل اس عورت کی چیخوں نے کھیل بگاڑ دیا ورنہ سر شمشاد یہیں ہوتے، انہیں اغوا

کرنے والوں کو شاید علم ہو گیا تھا کہ پولیس ان کی تاک میں ہے لہذا انہوں نے یہ چال چلی۔

عورت کی چیخیں سن کر ہمارے آدمی ادھر متوجہ ہو گئے اور ان کی بن آئی۔“

”پولیس کا کام ہی دھوکے کھانا ہے۔“ لیڈی شمشاد نے تلخ لہجے میں کہا۔

حمید نے اس کا جواب نہیں دیا لیکن اس کی آنکھوں سے درشتی ظاہر ہونے لگی تھی۔

”کیا میں آپ کے ملازمین کو چیک کر سکتا ہوں۔“ اس نے سرد لہجے میں پوچھا۔

”جودل چاہے کرو۔“ لیڈی شمشاد نے کہا اور غصہ حال ہی ہو کر ایک کرسی میں گر گئی۔

حمید نے کچھ دیر بعد ملازموں کو اکٹھا کیا۔ ان کی مجموعی تعداد بارہ تھی۔ لیکن انہیں لوگوں

کی زبانوں سے کسی تیرہویں کا بھی علم ہوا۔ لیکن وہ اس وقت عمارت میں موجود نہیں تھا۔

سر شمشاد کا باڈی گارڈ تھا اور ہر وقت مسلح رہتا تھا۔

اس اطلاع پر حمید کو ایک بار پھر لیڈی شمشاد سے گفتگو کرنی پڑی جسے وہ معمولی حالات

میں نظر انداز ہی کرنے کی کوشش کرتا۔

”میرے خدا۔“ لیڈی شمشاد کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ ”وہ..... باڈی گارڈ..... یعنی کہ وہی۔“

”اس کے متعلق آپ مجھے کیا بتا سکیں گی۔“

”میں نے دراصل اس کا تذکرہ کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ ہاں۔ جب دوسری بار ان

پشت پر ”تم آلو ہو“ لکھا دیکھا گیا تھا تو اس کے بعد ہی انہوں نے ایک ریٹائرڈ فوجی کو بحشیہ

باڈی گارڈ رکھ لیا تھا۔“

”وہ کہاں رہتا تھا۔“

”میں نے اس کے متعلق تفصیل نہیں معلوم کی تھی۔ مجھے تو دراصل ہر وقت یہی فکر تھا۔“

جاتی تھی کہ وہ خوفزدہ کیوں رہتے ہیں۔“

”تو آپ اس سے زیادہ کچھ نہ بتا سکیں گی کہ اس کی ملازمت تھوڑے ہی دنوں کی تھی۔“

”میں اس سے زیادہ جانتی ہی نہیں۔“

اس کے بعد حمید نے دوسرے ملازموں سے بھی اس باڈی گارڈ کے متعلق پوچھ گچھ

لیکن وہ اس سے زیادہ نہ بتا سکے کہ سر شمشاد اُسے آفندی کہہ کر مخاطب کرتا تھا۔

واپسی سے قبل اس نے ایک بار پھر نیلم کو ساتھ چلنے پر آمادہ کرنا چاہا لیکن اس نے

کر دیا۔ مجبوراً اُس نے امر سنگھ اور سر جٹ رمیش کو وہیں چھوڑ دیا تا کہ وہ نیلم کی حفاظت کر سکیں

کار وہاں نہیں ملی۔ شاید فریدی ہی اُسے لے گیا تھا۔ اس وقت ان اطراف میں نیکی کا

ملنا بھی مشکل ہی تھا۔ ویسے اگر حمید چاہتا تو سر شمشاد ہی کی کوئی گاڑی اُسے گھر چھوڑ آتی لیکن

اس نے اسے پسند نہیں کیا۔

کچھ دور پیدل چلنے کے بعد بلا خرائیک موٹر رکشل ہی گیا اور اس طرح وہ گھر تک پہنچ

سکا۔ راستے بھر وہ کوشش کرتا آیا تھا کہ اس رات کے واقعات کے متعلق کچھ نہ سوچے کیونکہ ان

کا ہر پہلو اس کے ذہن میں سورج کی طرح روشن ہو چکا تھا۔

پھانک پر پہنچتے ہی اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کپاؤنڈ میں بھونچال سا آ گیا ہو۔ کپاؤنڈ

تاریک تھی اس لئے اسے ٹارچ روشنی کرنی پڑی۔

درجنوں کتے کپاؤنڈ میں دوڑتے پھر رہے تھے۔ ٹارچ کی روشنی دیکھ کر انہوں نے

آسمان سر پر اٹھالیا۔ پھانک بند تھا۔ دور برآمدے میں بھی اندھیرا تھا۔

”کون ہے۔“ نصیر نے برآمدے سے چیخ کر کہا۔

”پھانک کھولو۔“ حمید کی جھلاہٹ دو چند ہو گئی۔

نصیر دوڑتا ہوا پھانک کی طرف آیا۔ کئی کتے بھی اس کے پیچھے دوڑے تھے۔ پھانک کھلا

اور حمید نے اندر داخل ہو کر نصیر کی گردن پکڑ لی۔

”ابے یہ سب کیا ہے۔ ان خبیثوں کو کیوں کھلا چھوڑا گیا ہے۔“

”ہم نے ایک چور پکڑا ہے جناب۔“

”چلو..... اندر چلو!“ حمید آگے بڑھتا ہوا بولا۔ کیونکہ کتے اچھل اچھل کر اس سے

معاذت کرنے کی کوشش کرنے لگے تھے۔

برآمدے کا بلب روشن ہو گیا۔ کتے بدستور کپاؤنڈ میں دوڑتے رہے۔

”صاحب وہ چوروں کی طرح اندر داخل ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہم نے اُسے پکڑ لیا۔“

خوب مرمت کی اور پھر بند کر دیا۔

”کہاں.....!“



”یہیں اندر! مگر وہ انگریز نکلا۔“

”تنت..... تو پھر..... وہ ہوگا صاحب..... پوریشن کیونکہ وہ اردو بھی بول لیتا ہے۔“

”اے کسی شریف آدمی کو پکڑ کر بند کر رکھا ہے۔“ حمید کہتا ہوا اندر گھستا چلا گیا۔

مگر پھر مڑ کر رکھا اور نصیر کو گھورتا ہوا بولا۔ ”مار پیٹ بھی کی تھی۔“

”دل کھول کر مرمت کر دی ہے صاحب۔“ نصیر نے خوش ہو کر کہا۔

”اگر وہ میرا یا کرئل کا کوئی دوست ہوا تو.....!“ حمید آنکھیں نکال کر غرایا۔

”ہوا کرے..... ہم کیا کریں۔ جو کوئی بھی پھانگ کھلانے کی بجائے پھانگ پر چڑھ

اندرا آنے کی کوشش کرے گا..... وہ.....!“

”یکومت..... مختصر بتاؤ۔“

”وہ پھانگ پر چڑھ کر کمپاؤنڈ میں کودا تھا۔ بس اُسے بند کر کے ہم نے سارے کتے کھول دیئے۔“

”وہ کیا کہہ رہا تھا۔“

”کہے گا کیا۔ بات کرنے کی مہلت ہی نہیں دی گئی تھی۔ مگر ہم نے اُس کا خیال رکھا۔“

”کہہ کسی کو چوٹیں دکھا کر فریاد نہ کر سکے۔“

”چل بے بڑا..... قانون بگھارنے چلا ہے۔“ حمید نے اس کی گردن پکڑ کر دھکیلا

اُسے اسی طرح اس کمرے کے سامنے لایا جہاں ملازمین نے کسی کو بند کر رکھا تھا۔

دروازے کے شیشے روشن تھے۔ حمید نے دروازہ کھولنے سے پہلے شیشوں سے اندر

ڈالی اور ایک طویل سانس کی اس کے پیچھے دوں سے آواز آئی۔

اندراجی کارٹر موجود تھا۔

وہی چھپکلی

اس کے کپڑے پھٹ گئے تھے اور چہرے پر جا بجا خراشیں تھیں۔ شاید ملازمین نے اُس

طرح اس کی خبر لی تھی۔

جیسے ہی حمید نے دروازہ کھولا وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

”اوہ..... کیپٹن میرے ساتھ بڑی زیادتی ہوئی ہے۔ حالانکہ میں پناہ لینے آیا تھا۔“ اس

نے کہا۔

”تم پناہ لینے کے لئے چوروں کی طرح آئے تھے۔“

”اگر کھلے عام آ سکتا تو پناہ لینے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ کیپٹن..... میں خطرے میں ہوں

اور ٹونی ہی کی طرح قتل کیا جاسکتا ہوں۔“

”عالم! اس ایک جملے کی وضاحت کے سلسلے میں تم کوئی لمبی چوڑی کہانی چھیڑ دو گے، مگر

میں اس وقت کہانی سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ اس لئے آرام کرو۔“

”میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں کہ میں کسی قسم کا فراڈ نہیں کر رہا ہوں۔ آپ میری

پوری بات سن لیجئے پھر آپ کو اختیار ہے جیسی رائے دل چاہے قائم کیجئے۔ رہا ٹونی کے قتل کا

معاملہ تو اس سلسلے میں بھی مجھے چیک کر لیجئے۔ ویسے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس قتل کا

تعلق میری ہی ذات سے ہے۔“

”تم نشے میں تو نہیں ہو۔“ حمید اُسے گھورتا ہوا بولا۔

”نہیں..... قطعی نہیں..... میں ہوش میں ہوں کیپٹن۔ لیکن میری داستان سن کر شاید آپ

مجھے پاگل ہی تسلیم کر لیں۔“

”میں تمہیں پاگل نہیں تسلیم کرنا چاہتا اس لئے کرئل کی واپسی تک تمہیں اس کمرے میں

بند رہنا پڑے گا۔“

”میں یہاں بہر حال محفوظ ہوں۔“ جی کارٹر نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

حمید کلائی کی گھڑی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اچانک وہ غصیلی آواز میں بولا۔ ”تو آج حقیقتاً

تم نے ہی فون پر گفتگو کی تھی۔“

”جی ہاں اور میں آپ کو اپنے متعلق بہت کچھ بتانا چاہتا تھا۔ لیکن اب میری زبان بند

رہے گی۔ آپ شوق سے مجھے عدالت میں حاضر کر سکتے ہیں۔“



اس لئے کم از کم اس جرم کی سزا مجھے نہیں بھگتنی پڑے گی۔“ اس نے کہا۔  
 ”سزا تو جرم کے ارتکاب کے بغیر ہی بھگتنی جاسکتی ہے۔ لہذا مجھے قانون پڑھانے کی  
 کوشش نہ کرو۔“

”میں نے تو پہلے ہی عرض کیا تھا کہ اب میری زبان بند رہے گی۔“  
 ”مگر میں نے زبردستی تمہاری کہانی بن لی۔“ حمید طغیہ انداز میں ہنسیا۔  
 ”میں پھر کہتا ہوں ہیویشام لاج کے گرد حصار قائم کیجئے۔“

”اگر تمہاری کہانی صحیح ہے تو اب وہاں کیا اٹلے گا۔“

”ہیویشام لاج نہ سہی۔ اس کے علاوہ بھی ایک اور عمارت میری نظروں میں ہے کیونکہ اس  
 بار وہ لڑکی گریشی اس عمارت میں گئی تھی۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب گریشی سے اچھی طرح  
 جان پہچان بھی نہیں تھی۔“

”وہ کون سی عمارت ہے؟“  
 ”ثروت منزل۔“  
 ”تمہیں یقین ہے کہ وہ لوگ اب بھی ثروت منزل میں مل جائیں گے؟“

”ہو سکتا ہے کہ وہیں ملیں۔ اگر وہ مجھے مار ڈالے میں کامیاب ہو گئے ہوتے تو شاید انہیں  
 ہیویشام لاج چھوڑ دینے کی ضرورت ہی نہ پیش آتی۔“

”میں اتنی دیر سے سوچ رہا ہوں کہ تم نے اپنی محبوبہ کئی کاتہ کرہ ایک بار بھی نہیں کیا۔“  
 ”جی کارٹر کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نظر آئی اور پھر وہ بہت زیادہ عجیبہ نظر آنے لگا۔  
 کچھ دیر بعد وہ بولا۔ ”مجھے علم ہو چکا ہے کئی زندہ ہے۔“

”وہ کہاں ہے۔“

”اپنے گھر میں۔“ جی نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”آج سے پہلے مجھے علم نہیں تھا کہ  
 وہ کرنل اسمتھ کی بیوی بھی ہے۔ آپ کے کہنے پر میں نے اپنے ایک دوست کے ذریعہ اس کی  
 تصدیق کی۔ کئی بہت چالاک ہے۔ ہو سکتا ہے اس نے کوئی لمبا بزنس کیا ہو۔“

”کس الزام میں۔“ حمید نے اسے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔  
 ”جن الزام میں آپ کا دل چاہے۔ قتل مجھ پر ثابت نہیں ہو سکے گا۔ اس کے علاوہ جس  
 جرم میں بھی ماخوذ ہوا قید ہی ہوگی اور اب صرف قید ہی میری حفاظت کا ذریعہ ہو سکتی ہے، ورنہ  
 وہ لوگ مجھے بھی قتل کر دیں گے۔ ضروری نہیں ہے کہ تقدیر ہر بار ساتھ دے جائے۔“  
 ”وہ خاموش ہو گیا۔ حمید بدستور اس کی آنکھوں میں دیکھے جا رہا تھا۔ اس نے آہستہ سے  
 کہا۔ ”بیٹھ جاؤ۔“

اور پھر وہ خود بھی بیٹھ گیا اور بولا۔ ”ہاں تم کیا کہنا چاہتے ہو۔“  
 جی کارٹر نے اپنی کہانی شروع کر دی۔ حمید بہت غور سے سنتا رہا لیکن اس کی آنکھوں  
 سے جب اعتباری مترشح تھی۔

”تقریباً بیس منٹ بعد جی کارٹر خاموش ہوا اور حمید ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ”وچکی  
 کے لحاظ سے یہ کہانی خاصی رہے گی۔ تم اسے لکھ ڈالو تو بہتر ہے۔“

”میں جانتا تھا۔“ جی کارٹر کے ہونٹوں پر ایک تلخی مسکراہٹ نظر آئی۔  
 ”مگر اس کہانی کا مقصد میری سمجھ میں نہیں آ سکا۔“ حمید نے کہا۔  
 ”مقصد ہی اگر سمجھ میں آ گیا ہوتا تو یہ کہانی آپ تک ہرگز نہ پہنچ سکتی کیونکہ میں  
 پولیس والوں کے سامنے سے بھی دور بھاگتا ہوں۔“

”وہ لڑکی تمہیں پہلی بار کہاں ملی تھی؟“  
 ”سومنگ کلب میں۔“

”اور تم خود ہی اس کی طرف کھینچے چلے گئے تھے؟“  
 ”جی ہاں۔“

”اور تمہیں اس کا اعتراف ہے کہ ایک رات تم اسی کے لئے ہیویشام لاج میں چوروں کی  
 طرح داخل ہوئے تھے۔“  
 ”مجھے اعتراف ہے۔ لیکن چونکہ ہیویشام لاج والے اسے پولیس کے علم میں نہیں لائے

”ہج..... اچھا!“ حمید نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔  
 پرانی چھپکلی آہستہ آہستہ اس کے سر پر رینگ رہی تھی۔ اس لئے آئی عقل خط ہو گئی۔ خود  
 حمید کو اس کا اعتراف تھا کہ وہ چھپکلی ہمیشہ اسکے لئے پریشانی ہی کا باعث بنتی رہی ہے لیکن اس  
 کے باوجود بھی وہی چھپکلی پھر اس کے سر پر سوار ہو گئی۔

ایسے مواقع پر وہ یہ تو قطعی بھول جاتا تھا کہ وہ ساجد حمید ہے بس اس کے ذہن میں  
 فریدی کا تصور ابھرتا اور غیر شعوری طور پر اس کی شخصیت پر حاوی ہو جاتا اور ذہن کے ڈھکے  
 چھپے گوشوں میں یہ خواہش بچوں کی طرح مچلنے لگتی کہ وہ کسی طرح کرنل فریدی کو بھی تھم کر دے۔  
 اس سے بھی آگے بڑھ جائے۔

اب اُسے یقین آ گیا تھا کہ جی کارٹر کی کہانی محض بکواس نہیں ہو سکتی۔ وہ ایک بار پھر اسی  
 کرے کی طرف جارہا تھا جہاں جی کارٹر مقید تھا۔ مگر اس کا ارادہ یہ نہیں تھا کہ اب اس سے نرمی  
 سے پیش آئے گا۔ وہ اب بھی دھونس دھڑے ہی سے کام نکالنا چاہتا تھا۔

جی کارٹر اُسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔  
 ”ہام..... تم نے پھر دھوکہ دینے کی کوشش کی تھی۔“ وہ اُسے گھورتا ہوا بولا۔  
 ”میں نہیں سمجھا جناب۔“  
 ”تم نے خود ہی کٹی سے فون پر گفتگو کی تھی۔“

”وہ..... دو..... دیکھئے..... ب..... بات.....!“ جی ہکلا کر رہ گیا۔  
 ”بولو..... بولو..... کوئی دوسرا جھوٹ۔ بولو۔“  
 جی کا چہرہ دھواں ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔  
 ”بلاشبہ میں نے یہ بات غلط ہی کہی تھی۔“

”پھر.....!“  
 ”آپ دیکھئے کہ میں کن دشواریوں سے دوچار ہوں۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں  
 نادانستگی میں گردن تک کسی دلدل میں غرق ہو گیا ہوں۔ مجھے آپ کی زبانی یہ سن کر بڑی حیرت

”عنقریب تم لوگوں کے برنس منظر عام پر آ جائیں گے۔“ حمید نے برا سانس بنا کر کہا۔  
 ”۔۔۔۔۔ پھر وہ اٹھ گیا۔ جی کارٹر بھی اس طرح خاموش ہو گیا تھا جیسے وہ اب تک دیواروں سے  
 گفتگو کرتا رہا ہو۔

حمید اپنے کمرے میں واپس آ گیا۔ لیکن کارٹر کی کہانی اس کے ذہن میں کروٹیں بدل  
 رہی تھی۔ اس نے کپڑے اتار کر شب خوابی کا لباس پہن لیا اور مستہری کی طرف بڑھ ہی رہا تھا  
 کہ فون کی گھنٹی بجی۔

”ہیلو.....!“ وہ ریسور اٹھا کر ننداسی آواز میں دہڑا۔  
 ”حمید.....!“ دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی۔ ”مجھے یقین تھا کہ تم واپس آ گئے  
 ہو گئے۔“

”واپسی سے فائدہ ہی کیا۔ ظاہر ہے کہ سونہ سکوں گا۔“  
 ”زندگی میں بعض ایسی حسین راتیں بھی آتی ہیں جب سونے کو ذہن ہی نہیں چاہتا۔“  
 ”آپ اس کال کا مقصد بیان کیجئے۔ میں اس سے بھی بہتر شاعری کر سکتا ہوں۔“  
 ”مقصد یہ ہے کہ جی کارٹر کو تلاش کرو۔“  
 ”کیوں.....؟“

”بعض مشتبہ آدمیوں کو بھی اس کی تلاش ہے۔“  
 حمید نے مسکرا کر پلکیں جھپکا کیں اور آہستہ سے بولا۔ ”میں اُسے تلاش کہاں کروں۔“  
 ”کئی گھر پر موجود ہے۔ مجھے بھی اطلاع ملی ہے۔ تم اس سے رابطہ قائم کرو۔ ہو سکتا ہے  
 اُسے جی کے متعلق علم ہو۔“

”اچھا میں معلوم کروں گا۔“  
 ”اتنی لاپرواہی سے نہ کہو۔ یہ رات بہت اہم ہے۔“  
 ”ارے تو کیا اسی وقت۔“  
 ”ہاں..... ابھی اور اسی وقت غفلت نقصان دہ ثابت ہوگی۔“

ہوئی تھی کہ کئی کسی کرنل اسمتھ کی بیوی ہے۔ اب یہاں اس شہر میں صرف ایک ہی کرنل اسمتھ ہے۔ میں نے یونہی استخوانا فون پر اس کے نمبر ڈائل کئے۔ دوسری طرف سے کوئی بولا اور جواب میں میں نے کئی پرکس کا نام لیا۔ اس نے کہا کہ میں ہولڈ آن کروں۔ بس تھوڑی ہی دیر بعد میں کئی سے گفتگو کر رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ اگر وہ مجھ سے کرنل اسمتھ کی بیوی ہونے کا تذکرہ کر دیتی تو میں اس سے دور بھاگتا کیونکہ کرنل اسمتھ بے شہر کے سارے بُرے آدمی ڈریتے ہیں۔

”کیا تم بھی کرنل اسمتھ سے ڈرتے ہو؟“

”ہرگز نہیں کیپٹن۔ میں اس خبیث نقاب پوش کے علاوہ اور کبھی سے نہیں ڈرتا۔ وہ آدمی کو بے بس کر دیتا ہے۔“

”لیکن تم نے کئی کے میاٹے میں جھوٹ کیوں بولا تھا۔ تم نے پہلے ہی یہ کیوں نہ بتایا کہ تم نے اس سے فون پر گفتگو کی تھی۔“

”اوہ..... کیپٹن..... خدا ایسا میری دشواریوں کو نظر انداز کیجئے۔ پہلے میں آپ سے کہہ چکا تھا کہ میں کئی کو کرنل اسمتھ کی بیوی کی حیثیت سے نہیں جانتا اور یہ حقیقت بھی تھی۔ اگر میں آپ سے یہ کہہ دیتا کہ میں نے بذات خود کئی سے فون پر گفتگو کی تھی تو آپ مجھے جھوٹا سمجھتے اور پھر میں آپ کو یقین نہ دلا سکتا کہ نقاب پوش والی کہانی بھی حقیقت ہی پر مبنی ہے۔“

”وہ تمہیں بے حد چاہتی ہے۔“

”اب میں اس کے دل کا حال کیا جانوں۔ زبان سے تو یہی کہتی ہے۔“

حمید چند لمحوں پر ہاتھ پھر بولا۔ ”تم نے ہیویشام لاج کے علاوہ بھی کسی عمارت کا نام لیا تھا۔“

”جی ہاں۔ ثروت منزل۔ میرا خیال ہے کہ وہ بھی انہیں بد معاشرہ کا اڈہ ہے۔“

”اور اگر یہ بات بھی غلط نکلی؟“

حمید نے آنکھیں نکال کر کہا۔ ”نہیں۔“

”دیکھئے میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ یہ محض شبہ ہے اور شبہ کی وجہ کا تذکرہ بھی کر چکا ہوں۔ میں نے گریٹش کو اکثر اس عمارت میں بھی دیکھا ہے۔ پہلے میں سمجھا تھا کہ اس کا قیام وہیں ہے لیکن بعد میں چھان بین کے بعد اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اس کا مستقل قیام ہیویشام

لاج میں ہے اور یہی بات صحیح بھی تھی۔“

”میں تمہیں ثروت منزل تک اپنے ساتھ لے چلتا چاہتا ہوں۔“

”میں آپ کے ساتھ مرجانا بھی پسند کروں گا۔“ جی جوش ہو کر بولا۔

”لیکن تنہا چوروں کی طرح چھپتے پھر رہے ہو۔“

”جہاں میں مار لیا جاؤں گا کیپٹن۔ لیکن کچھ کر کے مرنے کا غم مجھے قطعی نہیں ہوگا۔ میں اس سور کے بچے کی شکل دیکھنا چاہتا ہوں، جو میری ہی زبان سے میرے والدین کو گالیاں دلا تا رہا ہے۔ میں اس کی بوٹیاں نوچنا چاہتا ہوں۔“

”اچھا تو آؤ..... لیکن اگر تم نے دھوکہ دیا تو پھر مجھے جانتے ہی ہو۔ معافی مانگنے کے لئے تم زندہ نہیں رہو گے۔“

”جہاں بھی دھوکے کا شبہ ہو بے دریغ مجھے گولی مار دیجئے گا۔“

حمید اسے تجربہ گاہ میں لایا اور تھوڑی ہی دیر بعد جی کارڈ ادھیر نظر آنے لگا۔ اس کے چہرے پر گھٹی اور بھونے رنگ کی ڈاڑھی تھی۔ اس کا لپان بھی تبدیل کر دیا گیا۔ اس نے آئینے میں اپنی شکل دیکھی اور مسکرا کر بولا۔ ”میں تو اب کوئی شریف آدمی معلوم ہونے لگا ہوں۔“

”ہاں.....“ حمید نے خشک لہجے میں کہا۔ ”میں شریف بنانا ہوں مگر خود اتنا شریف نہیں ہوں۔ اسے بھی یاد رکھنا۔“

”کیپٹن آپ مجھ پر اعتماد کیجئے۔ بہت زیادہ بُرے آدمی سب کیلئے بُرے نہیں ہوتے۔“

ان کے بعد وہ نیچے آئے۔ حمید نے حارے لکتے بند کر دیئے تھے۔ گیراج سے اس نے وہ کار نکلائی جو شاذ و نادر ہی استعمال کی جاتی تھی اور آئے دن جن کارنگ بھی تبدیل ہوتا رہتا تھا۔

کارسزک پر نکل آئی۔ حمید ڈرائیو کر رہا تھا اور جی اس کے پاس ہی بیٹھا تھا۔

روانگی سے قبل اس نے نصیر کو ہدایت دی تھی کہ اگر فریدی کی کال آئے تو اس کے متعلق مہربانیاں بتایا جائے۔ وہ گھر پر موجود نہیں ہے۔

پتہ نہیں اس کی اسکیم کیا تھی۔ اس نے اپنے مخصوص ماتحتوں کو بھی فون پر کی قسم کی ہدایات

نہیں دی تھیں۔

کچھ دیر بعد جی نے پوچھا۔ ”اکسیم کیا ہے کیپٹن؟“

”کچھ بھی نہیں۔ فی الحال میں یہ دیکھوں گا کہ ثروت منزل کس قسم کی عمارت ہے۔ مگر نہیں ٹھہرو۔ کیونکہ ہم ہیویشام لاج کو بھی دیکھ لیں۔ میرا خیال ہے کہ پہلے وہیں چلو۔“

”مجھے توقع نہیں ہے کہ اب وہ لوگ وہاں موجود ہوں مگر کیپٹن آپ نے میک آپ نہیں کیا۔ میرا خیال ہے کہ وہ لوگ آپ کو پہچانتے ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو اچانک مجھے موت کے گھاٹ اتار دینے کی کوشش کیوں کرتے۔ میرا خیال ہے کہ اگر وہ آپ کو کئی اور ٹوٹی کے ساتھ نہ دیکھتے تو حالات کی یہ شکل نہ ہوتی جو اس وقت ہے۔“

”تم اس کی فکر نہ کرو کہ میں میک آپ میں ہوں یا نہیں ہوں۔“

جی کارڈ خاموش ہو گیا اور کارڈ شہر کی سنان سڑکوں پر دوڑتی رہی۔

کچھ دیر بعد حمید نے کہا۔ ”وہ لڑکی گریشی تو بہت حسین ہے۔“

”ناگن۔۔۔۔۔!“ جی کارڈ کسی سانپ کی طرح ہچکھ کاڑا۔ ”اُس نے مجھے یہی بتایا تھا کہ

میری ہی طرح وہ بھی اس خبیثت کے چنگل میں آ چھنی تھی اور اب اس نے نکل نہیں سکتی۔ لیکن

وہ فراڈ تھی۔ اس نے مجھے اُلو بتایا تھا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو میرے کار سے کود جانے پر انہیں

ہوشیار کیوں کر دیتی۔ مجھے خوبصورت لڑکیوں سے بڑے تلخ تجربات ہوئے ہیں۔ یہ سب

ڈائیں ہوتی ہیں۔“

”ہوں۔۔۔۔۔ مگر میں اس وقت خوبصورت لڑکیوں کو موضوع گفتگو نہیں بنانا چاہتا فی الحال

میں یہ سوچ رہا ہوں کہ تمہاری داستان میں جھوٹ کس حد تک شامل ہے۔“

”اب بھی آپ کو یقین نہیں آیا۔“ جی کارڈ ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

”کم از کم سوئیوں والا واقعہ تو غپ ہی ہوگا۔“

”کاش آپ اس وقت وہاں موجود ہوتے جب وہ سوئیاں میرے جسم سے نکالی گئی

تھیں۔ میں نہیں جانتا کہ وہ سوئیاں کہاں سے آئی تھیں وہ کس طرح پھینکی گئی تھیں۔ کتنی قوت

سے پھینکی گئی تھی۔ میں کیا بتاؤں۔ یہ حالات ہی ایسے ہیں کہ کسی کو یقین نہیں آ سکتا۔“

حمید کچھ نہ بولا۔ خود اسے ایک بار ایسی ایک سوئی کا تجربہ ہو چکا تھا۔ اس لئے یقین نہ

کر لینے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ ایسی سوئیاں کسی بے آواز پریش مشین ہی سے پھینکی جاسکتی تھیں اور

ایسی چھوٹی چھوٹی پریش مشینیں بھی اس کی نظروں سے گزری تھیں جنہیں بے آسانی جیب میں رکھا

جاسکتا تھا۔

”یہ آپ کا ہر چل رہے ہیں۔“ دفعتاً جی کارڈ نے پوچھا۔

”ہیویشام لاج۔ میرا خیال ہے کہ عمارت بالکل ہی خالی نہ ہوئی ہوگی۔ وہاں ایسے آدمی

ضرور موجود ہوں گے جن کے خلاف کچھ نہ کچھ ثابت کیا جاسکے۔“

”چلے۔۔۔۔۔ وہیں چلے۔۔۔۔۔ لیکن کیا ہم دونوں تباہ ہیں۔“

”ایسے احمقانہ خیال سے بچتے ہی رہنا۔ میں نے اپنے آدمی پہلے ہی ہیویشام لاج کے

گرد پھیلا دیئے ہیں۔ روانگی کے وقت میں نے انہیں فون پر اطلاع دی تھی۔“ حمید نے بہت

صفائی سے جھوٹ بولا۔

بات دراصل یہ تھی کہ وہ اب بھی جی کارڈ کی طرف سے مطمئن نہیں تھا۔

پھر آخر اس سے یہ حماقت کیوں سرزد ہوئی تھی؟ وہی چھپکی۔ فریدی کو بھی متحیر کر دینے کا

خط۔ وہ ایسے مواقع پر یہ بھول جاتا تھا کہ فریدی زندگی کے بہترے پہلوؤں پر خود اس کی نظر

بھی نہیں ہے۔ اسی غلط روی نے اکثر پہلے بھی حمید کو خطرات سے دوچار کیا تھا۔ لیکن وہ اس

چھپکی سے مجبور تھا۔ کیونکہ یہ اچانک ہی اس کے سر پر سوار ہوتی اور پھر کیا خیال کہ مکمل حجامت

کے بغیر اتر جائے۔ وہ بیچارہ تو اس کے ہاتھوں مجبور محض تھا۔

کار ہیویشام لاج سے کافی فاصلے پر چھوڑی گئی اور وہ پیدل ہی عمارت کی طرف چل پڑے۔

”تم کس طرف سے چوروں کی طرح عمارت میں داخل ہوئے تھے۔“ حمید نے پوچھا۔

”عمارات کے پچھلے حصے میں ایک مختصر سا مین بھی ہے اور عقبی دیوار اتنی نیچی ہے کہ بے

آسانی دوسری طرف اتر جاسکتا ہے۔ مگر آپ کیوں یہ پوچھ رہے ہیں اُوہ ہو۔۔۔۔۔!“

اس داستان کے لئے جاسوسی دنیا کا ناول ”شیطان کی جگہ“ جلد نمبر 20 ملاحظہ فرمائیے۔

کارٹر ایک بیک رُک گیا۔ وہ عمارت کے سامنے پہنچ چکے تھے۔ یہاں وہ نے کہا: ”میرے خدا“ جی کارٹر خوفزدہ آواز میں بولا۔ ”کیا وہ اب بھی اسی عمارت میں موجود ہے؟“ ”کیوں؟“ ”پوری عمارت میں صرف ایک کھڑکی کے شیشے روشن نظر آ رہے ہیں اور یہ کھڑکی اسی کمرے کی ہے۔“

”ممکن ہے وہ موجود ہی ہو اور وہ بھاگنے ہی کیوں لگا جب کہ تم اسے شناخت ہی نہ کر سکو گے۔ اگر وہ نقاب اتار کر ہزار بار بھی تمہارے سامنے آئے تو تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔“ ”مگر دوسرے لوگوں کو تو میں پہچان ہی سکتا ہوں۔ گریشی کیسے چھپے گی۔“ ”بس وہی لوگ ہٹا دیے گئے ہوں گے جنہیں تم شناخت کر سکو۔“ ”جی ہاں۔۔۔ یہ بھی ممکن نہیں۔ مگر ہم یہاں کیا کریں گے۔“ ”آج پھر چوڑوں کی طرح اس عمارت میں داخل ہونا ہے۔“ ”دیکھئے۔ یہ بہت خطرناک ہوگا کیپٹن۔“

”تم اس کی پروا ذمہ نہ کرو۔ تمہاری حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں۔“ ”میں تنہا تو کبھی نہ جاؤں گا۔“ ”میں کب کہتا ہوں کہ تم تنہا جاؤ۔ میں بھی تمہارا ساتھ دوں گا۔“ ”مگر اسکی ضرورت ہی کیا ہے؟“ کارٹر بولا۔ ”آپ کے ساتھ قانون کی طاقت ہے۔“ ”اے میں گھر چھوڑ آیا ہوں۔“ حمید نے لاپرواہی کے لیے کہا۔ ”اگر تم میرے کہنے کے مطابق عمل نہیں کرو گے تو نتیجے کے خود ذمہ دار ہو گے۔“ ”پچھلے صاحب۔“ جی کارٹر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”لیکن اگر آپ کسی مشکل میں پڑ جائیں تو مجھے الزام نہ دیجئے گا۔ اگر وہ سانپ یہاں رہ بھی گیا ہے تو اس میں بھی اس کی کڑا نہ کوئی چال ضرور ہے۔ ارنے وہ بہت چالاک ہے۔ سچ کچ کوئی خبیث روح اس کے جسم میں حلول کر گئی ہے۔ میں اسے آدمی تسلیم کرنے پر تیار ہی نہیں ہوں۔“

”چلو۔۔۔ بائیں نہ بناؤ۔“ حمید نے اسے دھکا دیا۔ ”وہ عمارت کی پشت پر آئے اور حمید نے آہستہ سے کہا: ”دیوار تو بہت نیچی ہے۔“ دوسرے ہی لمحے میں کارٹر عقبی دروازے میں جڑی ہوئی پڑیوں پر چیر رکھ کر اوپر چڑھ رہا تھا۔ دیوار پر پہنچ کر حمید کو راستہ دینے کے لئے وہ ایک طرف ہو گیا ویسے وہ دیوار پر سینے کے بل لیٹا ہوا تھا۔

”حمید بھی اوپر پہنچا۔ نیچے محض تاریک پڑا تھا۔“ ”میرا خیال ہے۔“ حمید نے آہستہ سے کہا: ”اگر ہم دیوار پکڑ کر لٹک جائیں تو ہمارے پیر فرس سے زیادہ سے زیادہ دھوک کی اونچائی پر ہوں گے۔“ ”جی ہاں۔۔۔ میرا بھی یہی اندازہ ہے۔“ کارٹر نے جواب دیا۔

پھر وہ دونوں دیوار پر ہاتھ جمائے ہوئے دوسری طرف لٹک گئے اور انہوں نے ایک ساتھ ہی دیوار ہاتھوں سے چھوڑی۔ لیکن غیر متوقع طور پر ان کے منہ سے عجیب سی آوازیں نکلیں۔ ان دونوں کے سر ایک دوسرے سے ٹکرا گئے تھے لیکن پیر زمین سے نہیں لگے۔

حمید نے محسوس کیا وہ ایک مضبوط قسم کا جال تھا جس میں پڑے ہوئے وہ جھولا جھول رہے تھے۔ ”یہ کیا مصیبت ہے۔“ جی کارٹر بڑبڑایا۔ ”تم نے دھوک دیا۔“ حمید غرایا۔ ”میں نے دھوکا نہیں دیا۔“ ”میں نے پہلے ہی آپ کو خطرے سے آگاہ کر دیا، کہہ دیا تھا کہ اس طرح عمارت میں داخل ہونا مناسب نہ ہوگا۔“ ”اس میں کیا؟“ حمید خاموش ہو گیا۔ اس کا ہاتھ کوٹ کی جیب میں تھا اور کسی لمحے بھی ریوا لور نکال کر کارٹر کے سینے پر رکھ سکتا تھا۔

”تو کیا اس طرح اب ہم پڑے رہیں گے۔“ کارٹر نے کچھ دیر بعد کہا۔

”ٹھہرو۔“ حمید نے بائیں ہاتھ سے ٹارچ نکالتے ہوئے کہا۔



## ٹکراؤ

”شاید یہ دوسرا دن ہے کیپٹن۔“ کارٹر نے کہا۔ ”مگر یہ کمرہ ہیوشام لاج کا تو ہرگز نہیں ہو سکتا۔ وہ پوری عمارت میری دیکھی ہوئی ہے۔“

حمید کچھ نہ بولا۔ اُسے اپنی غیر ذمہ دارانہ حرکت پر بے خدا فسون تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ ایسی زبردست غلطی تو اس سے پہلے کبھی نہیں سرزد ہوئی۔ پھر کیا وہ اس کی زندگی کی آخری غلطی تھی۔ وہ اپنی اس چھپکلی کے متعلق سوچنے لگا۔ جو اکثر اس کے سر پر سوار ہو جایا کرتی تھی۔ مگر وہ اتنا احمق بھی نہیں تھا۔ آخر اسے بچھلی رات ہو کیا گیا تھا۔ بس وہ ایک طرح کا جنون ہی تھا جو اُسے ہیوشام لاج تک لے گیا تھا۔ موت تو بس اسی طرح آتی ہے۔ لوگ بہت ہی معمولی بات پر ایک دوسرے کو چھرا مار دیتے ہیں۔ آخر کیوں؟ کیا وہ یہ نہیں سوچ سکتے کہ اشی ذرا سی بات کی قیمت دو زندگیاں نہیں ہو سکتیں۔ ایک اتنی ہی ذرا سی بات پر چھرے کا شکار ہو جاتا ہے اور دوسرا قتل کے الزام میں پھانسی پا جاتا ہے۔ تقدیر..... ستارے..... تو گویا خود اس کے ستارے بھی اسے گھیر گھاڑ کر موت کی طرف لے جا رہے تھے۔

”اونہ.....!“ اس نے لاپرواہی سے اپنے شانوں کو جنبش دی اور کارٹر کی طرف دیکھنے لگا۔ کارٹر کے چہرے پر زردی دوڑ گئی اور ہونٹ خشک ہو گئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ بھی زندگی سے ناامید ہو گیا ہو۔

”پرواہ مت کر جی کارٹر۔“ حمید زبردستی ہنس کر بولا۔ ”دیکھو تو کیا ہوتا ہے۔“

جی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دروازہ کھلا اور ایک لپا ہجوں کی کرسی کمرے میں داخل ہوئی۔ کرسی پر سر شمشاد آیا۔ وہ خود ہی اس کے پیچھے گھما رہا تھا اور اس کے چہرے پر بھی مردنی چھائی ہوئی تھی۔

کرسی رک گئی اور سر شمشاد نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”تم لوگوں سے کس نے کہا تھا کہ اس معاملے میں کوڈ پڑو۔“

پھر تاراج کی روشنی میں انہوں نے دیکھا کہ اگر وہ اس جال کو کاٹ بھی دیتے تو اسے گہرے گڑھے میں جا پڑتے کہ اس سے بھی ٹکنا مشکل ہی ہوتا۔ اگر وہ اس جال میں کھڑے ہو جاتے تو ان کا اوپر پہنچنا بھی محال تھا کیونکہ ان کے ہاتھ فرش کی سطح تک پہنچ ہی نہ سکتے۔

”یہ بہت بُرا ہوا کیپٹن۔ اب اپنے آدمیوں کو بلائیے جو عمارت کے گرد پھیلے ہوئے ہیں۔“

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جی کارٹر نے یقینی طور پر دھوکہ دیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ فریدی نے اس سلسلے میں دھوکا کھایا ہو۔ وہ لوگ اس سے واقف ہوں کہ فریدی ان کے تعاقب میں ہے اور انہوں نے حمید کو بھی پھانس لینے کے لئے جال بچھایا ہو۔ اس سے پہلے بھی بعض مجرموں نے دونوں کو ساتھ ہی قابو میں کر لینے کی کوشش کی تھی۔ لیکن اب کیا ہو سکتا ہے۔ حماقت تو سرزد ہو ہی چکی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کارٹر کی گردن دیوچ لے لیکن پھر اسے صبر ہی کرنا پڑا۔ کیونکہ وہ اب بغیر سوچے سمجھے کچھ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اب چھپکلی تو سر سے اتر ہی چکی تھی اور وہ خود پر لعنت بھیج رہا تھا۔

دفعہ اس نے جال میں حرکت محسوس کی وہ اوپر اٹھ رہا تھا۔ اس نے تاراج نہیں روٹن کی۔ وہ سوچ رہا تھا ہو سکتا ہے اب رہائی کی کوئی صورت نکل آئے۔ پتہ نہیں وہ کتنی بلندی تک اٹھ آئے تھے۔ ان کے چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی تھی۔ اچانک کوئی سخت سی چیز حمید کے سر پر پڑی اور وہ پکرا گیا اور دوسری چوٹ پر تو اس کی چیخ ہی نکل گئی۔ لیکن وہ تنہا نہیں چیخا تھا۔ کارٹر کی چیخ بھی بڑی بھیاں تھی۔ پھر اُسے یاد نہیں کہ اس کے بعد کیا ہوا۔

مگر دوسری بار آنکھ کھلنے پر تاریکی رفع ہو چکی تھی اور کارٹر بھی اس کے قریب ہی موجو تھا۔ لیکن اس کے چہرے پر اب وہ ڈاڑھی نہیں تھی جس پر حمید نے رات کافی محنت کی تھی۔



”آپ کی زوجہ محترمہ نے۔“ حمید نے تلخ لہجے میں کہا۔

”اُسے بھی سزا ملے گی اور تمہیں بھی۔“ سر شمشاد نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ ”وہ بیوہ

ہو جائے گی اور تم مارڈا لے جاؤ گے۔“

”مجھے حیرت ہے کہ میرے مرنے سے وہ کس طرح بیوہ ہو جائیں گی۔“

”خاموش رہو۔ میرے خدا..... میری موت کی ذمہ داری تمہیں لوگوں پر ہوگی، ارے وہ

ٹویوڈا ہے۔ ٹویوڈا۔ جسے یورپ کی پولیس بھی نظر انداز کرتی ہے۔“

”ٹویوڈا.....! حمید نے حیرت سے کہا۔ ”آپ کو کیسے علم ہوا کہ وہ ٹویوڈا ہے۔“

”وہ ٹویوڈا ہے۔ اُس نے خود ہی بتایا تھا۔ پہلے وہ مجھے خوفزدہ کر کے صرف کنگال کر دیتا

مگر اب جان سے مار دے گا۔ خدا اس عورت کو غارت کرے جو منع کرنے کے باوجود بھی

تمہارے پاس دوڑی گئی تھی۔“

”اوہ..... تو ٹویوڈا ہی آپ کو اُلو بنارہا تھا۔“

”میں اُلو سے بھی بدتر کوئی چیز بن جاتا لیکن اس طرح مرنا پسند نہ کرتا۔ اوہ..... میرے

پیر میں کتنی شدید تکلیف ہے۔ محض تم لوگوں کی وجہ سے میری انگلی کاٹی گئی۔ اُف۔ وہ..... میں کیا

کروں میرے خدا۔“

”میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ کی پشت پر جو تحریر ملا کرتی تھی اس کا کیا مقصد تھا۔“

”مقصد! ہاں میں تمہیں مقصد بھی بتاؤں گا۔ شاید میں چھوڑ بھی دیا جاؤں لیکن تم بالکل

نہیں بچو گے۔ ہرگز نہیں بچو گے۔ تمہارا گرد گھنٹال فریدی کہاں ہے۔“

”انہیں شاید ٹویوڈا نے ختم بھی کر دیا۔“ حمید مسکرا کر بولا۔

”ضرور ختم کر دیا ہوگا۔ تم مقصد پوچھ رہے ہو۔ جس دن تحریر نظر آئی تھی اس کے دوسرے

ہی دن مجھے ایک خط ملا تھا جس میں تحریر تھا کہ ایک لاکھ کے کرنسی نوٹ فلاں مقام پر رکھو۔“

ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے اور کسی کو کان خبر نہ ہوگی کہ تم کب ختم کئے گئے اور کس نے ختم

کیا۔ بالکل اسی طرح جیسے تم اُلو ہو والی مہر تمہاری پشت پر لگائی گئی اور تمہیں علم نہ ہوسکا کہ

ب اور کہاں لگائی گئی۔ لگانے والا کون ہے۔ خبردار۔ اس کی اطلاع پولیس کو نہ ہونے پائے

نہ تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ میں ٹویوڈا ہوں۔ یورپ کی بہترین تربیت یافتہ پولیس بھی مجھ سے

بہتر ہے۔ میں نے اسے مذاق سمجھا تھا لیکن کچھ دن بعد وہی تحریر پھر میری پشت پر دیکھی گئی

اور میں نے خوفزدہ ہو کر اس کے بتائے ہوئے مقام پر ایک لاکھ کے کرنسی نوٹ رکھ دیئے۔ پھر

سہ ماہی دن میری پشت پر یہ تحریر نظر آئی کہ تم اُلو نہیں ہو۔ اور میں نے اطمینان کا سانس لیا

لیکن اس کے بعد ہی اس نے مجھے لکھا کہ وہ ہر ہفتہ ایک لاکھ روپیہ چاہتا ہے لیکن وہ سال دو

سال یہاں قیام نہ کرے گا۔ اس لئے مجموعی رقم دس لاکھ سے زیادہ نہ ہوگی۔ میں نے اس پر بھی

بہن چاہا کہ اس کی اطلاع پولیس کو ہو۔ میں جانتا ہوں کہ ٹویوڈا کس قسم کا آدمی ہے۔ اب اس

نے دس لاکھ کے بجائے بیس لاکھ کا مطالبہ کیا ہے۔ میں ادا کروں گا۔ سکھ کی نیند سونے کے لئے

کنگال بھی ہو سکتا ہوں مگر وہ تمہارے پاس دوڑی گئی اور ٹویوڈا نے میری انگلی کنوا دی۔ پھر

اس کی طرف سے ایک خط بھی موصول ہوا جس میں تم دونوں کے متعلق تحریر تھا اور مجھے وارننگ

دی گئی تھی کہ اگر معاملات اس سے آگے بڑھے تو میرا بھی خاتمہ ہر حال میں کر دیا جائے گا۔“

سر شمشاد خاموش ہو کر اپنا زخمی پیر ٹٹولنے لگا۔

”تو گویا۔“ حمید نے کہا۔ ”تحریر کا مقصد یہ جتنا تھا کہ جس طرح یہ تحریر آپ کی پشت پر

لی جاسکتی ہے اسی طرح آپ سے روپے بھی وصول کر لئے جائیں گے۔“

”میں اب کچھ نہیں کہنا چاہتا۔“ سر شمشاد نے کہا اور اپا بھوجوں والی کرسی کا رخ دروازے

کی طرف موڑ دیا۔ حمید پھر خاموش ہو گیا تھا۔ وہ سر شمشاد کی رواں گئی کا منظر دیکھتا رہا۔ لیکن اس

نے چلے جانے کے بعد بھی دروازہ نہیں بند کیا گیا۔ ویسے دو آدمی ہاتھوں میں ٹائی گئیں لئے

ہر موجود تھے۔

حمید سر شمشاد کی آمد کا مقصد نہ سمجھ سکا۔ ممکن ہے اُسے ٹویوڈا ہی نے بھیجا ہو، یہ جتانے

لئے کہ سابقہ کس آدمی سے ہے۔

”کیپٹن کیا ہم کبھی یہاں سے نکل سکیں گے۔“ جی نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔



”اگر انہوں نے ہماری لاشیں دفن کرنا پسند نہ کیا۔“ حمید نے جواب دیا۔

”کیا کرنل آپ کی بھی خبر لیں گے۔“

”کیوں نہیں! میری تو اچھی طرح خبر لیں گے۔“

کچھ دیر خاموشی رہی پھر کارٹر نے کہا۔ ”ٹویوڈا آخر مجھ سے کیا چاہتا تھا۔ مگر کیا آپ

یقین ہے کہ یہ ٹویوڈا ہی ہوگا۔ میں نے اکثر یہ نام سنا ہے۔“

”وہ ٹویوڈا ہی ہے اور کرنل کئی ماہ سے اس کی تلاش میں ہیں۔“ حمید نے کہا اور

سروں میں سیٹی بجانے لگا۔ اب وہ بے حد مطمئن تھا۔ اگر یہاں سر شمشاد کو نہ دیکھ لیتا تو اس

ذہن پر موت کی پرچھائیاں ہی منزل لاتی رہتیں۔ کرنل نے پچھلی رات اس آدمی کا تعاقب کر

جو سر شمشاد کو اس کی کٹھی سے نکال لے گیا تھا۔ لہذا اسے کسی طرح بھی باور نہیں کیا جاسکتا

فریدی اس عمارت کی طرف سے غافل ہوگا جہاں اس وقت سر شمشاد کا قیام ہے۔

ٹھیک ڈیڑھ بجے ان کے لئے کھانا آیا لیکن کھانا لانے والوں کا رویہ نہ دوستانہ تھا اور

دشمنوں کا سا تھا۔ ان کے انداز میں بے تعلقی بھی پائی جاتی تھی۔

دن ختم ہوا۔ رات آئی لیکن اس دوران میں کوئی ایسا واقعہ نہیں پیش آیا جو غیر مندرجہ

ہوتا۔ کارٹر بہت زیادہ خوفزدہ نظر آنے لگا تھا۔ حمید نے اسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔

کمرے کا دروازہ اب بھی کھلا ہوا تھا اور باہر پہرے دار موجود تھے۔ اچانک گیارہ

دروازہ بند ہو گیا۔ آٹھ بجے انہیں رات کا کھانا بھی ملا تھا۔

”اب سو جاؤ جی کارٹر۔ مجھے یقین ہے کہ صبح کی چائے ہمیں نصیب نہ ہوگی۔“

”اور اس کی تمام تر ذمہ داری آپ پر ہوگی۔“

”خیر اس کا فیصلہ ہم دوسری دنیا میں بھی کر سکیں گے کہ ہم میں سے کون اس کا ذمہ دار

”آپ اتنے غیر سنجیدہ کیوں ہیں۔“ کارٹر نے حیرت سے کہا۔ ”کیا آپ یہ سمجھتے ہو

ہم بچ جائیں گے۔“

”بچیں یا نہ بچیں..... سنجیدگی سے کیا فائدہ۔“

کارٹر نے پھر خاموشی اختیار کر لی۔

کچھ ہی دیر بعد حمید نے بھاری قدموں کی آوازیں سنیں اور کسی نے اس کمرے کے

دروازے پر ٹھوکر ماری۔ دونوں پٹ کھل گئے۔ آنے والا فریدی ہی تھا مگر تہا تھا۔ البتہ قدموں

کی آوازیں اب بھی سنی جاسکتی تھیں۔ جو عمارت کے کسی دور افتادہ حصے سے آ رہی تھیں۔

حمید اور کارٹر کھڑے ہو گئے۔ فریدی حمید کو گھور رہا تھا۔

”چلو.....!“ اس نے خشک لہجے میں کہا اور دوسری طرف مڑ گیا۔ یہ راہداری سنان پڑی

تھی اور اس کا اختتام ایک دروازے پر ہوا۔

”یہاں سر شمشاد بھی موجود ہے۔“ حمید نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔

”وہ باہر جا چکا ہے۔“ فریدی کے لہجے میں خشونت بدستور قائم تھی۔

وہ راہداری کے اختتامی دروازے میں داخل ہوئے۔ اب وہ بڑے کمرے میں تھے۔

فرنچر سے اندازہ ہوتا تھا کہ اسے ہال ہی کی حیثیت سے استعمال کیا جاتا تھا۔

جیسے ہی وہ اندر داخل ہوئے سامنے کا دروازہ بند ہو گیا۔ فریدی راہداری والے دروازے

کی طرف پلٹا لیکن وہ شاید اسی وقت بہ آہستگی بند ہو گیا تھا جب وہ ہال میں داخل ہوئے تھے۔

جی نے آگے بڑھ کر اس دروازے پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ اچھل کر کئی گز دور جاگرا۔

”الیکٹرک شاک۔“ وہ چیخا اور اپنے کپڑے نوچنے لگا۔ فریدی جھپٹ کر اس کے قریب

پہنچا۔ پھر ان دونوں نے اس کے جسم سے بجلی کا اثر زائل کرنے کی تدبیریں شروع کر دیں۔ اس

کے اعصاب اس دھچکے سے زیادہ متاثر نہیں ہوئے تھے اس لئے وہ جلد ہی اپنے پیروں پر کھڑا

ہو گیا۔ لیکن ٹھیک اسی وقت کمرے میں ایک آواز گونجی ”جی کارٹر..... شروع ہو جاؤ۔“

کارٹر کے ہونٹ کھلے اور جسم اس پوزیشن میں آ گیا جیسے وہ شدید قسم کے پھراؤ سے خود کو

بچانا چاہتا ہو۔ پھر وہ چیخنے لگا۔ ”میرا نام جی کارٹر ہے..... میں گدھا ہوں مجھے ایک گدھی نے

جنا تھا..... اور..... اور..... مم..... میرا.....!“

”شٹ اپ.....!“ فریدی گرجا اور وہ سہم کر خاموش ہو گیا۔

”بھی سپانا بھرا۔ جی کارٹر نے اس کی زد سے بچنے کی کوشش کرتے ہوئے اُلو اور گدھے والی بکواس شروع کر دی۔ چابک فضا میں چکراتا رہا۔

”تم بھی شروع ہو جاؤ کرنل۔“ ٹویوڈا نے گویا اپنی موت کو دعوت دی اس نے فریدی کی طرف بھی چابک لہرایا تھا۔ فریدی نے اس سے بچنے کے لئے ایک طرف چھلانگ لگائی اور ٹویوڈا ہنس کر بولا۔ ”یہ ایشیا کا سب سے چالاک آدمی ہے..... اور.....!“

فریدی بالکل خاموش تھا لیکن چابک کی طرف سے اتالا پرواہ نظر آ رہا تھا جیسے اگر وہ اس کے لگ بھی گیا تو وہ اُسے چھیڑ چھاڑ سے زیادہ اہمیت نہ دے گا۔

”تم بھی یہی الفاظ دہراؤ۔ ورنہ تمہارا بھی یہی حشر ہوگا۔ جو تمہارے ساتھی کا ہوا ہے۔“ دفعتاً فریدی اتنے زور سے دھاڑا کہ ٹویوڈا کا گردش کرتا ہوا ہاتھ بہک گیا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس کا چابک فریدی کی گرفت میں تھا اور پھر اس نے اتنی پھرتی سے آگے بڑھ کر اُسے جھٹکا دیا کہ ٹویوڈا کے جسم کے گرد چابک لپٹ گیا۔ دوسرا جھٹکا اُسے زمین پر لے آیا۔ پھر اُسے اپنا وہ حربہ بھی استعمال کرنے کی مہلت نہ مل سکی جو اس کے بائیں ہاتھ میں تھا۔

فریدی اس پر سوار ہو گیا۔ حمید اسی طرح تڑپ رہا تھا۔ جی بھاگ کر کھلے ہوئے دروازے کی طرف چلا گیا۔ فریدی ٹویوڈا کو فرش پر رگڑ رہا تھا۔

”اس کے ساتھی آگئے۔“ دفعتاً جی کارٹر چیخا۔ بس پھر ایک ہی پل کے لئے فریدی کی گرفت ڈھیلی ہوئی تھی کہ ٹویوڈا کسی چکنی مچھلی کی طرح اس کے نیچے سے نکل گیا۔ اس نے دروازے میں چھلانگ لگائی تھی۔ جی کارٹر ایک طرف گرا اور وہ اُسے روندتا ہوا باہر نکل گیا۔ فریدی ریوالور اٹھا کر اس کے پیچھے جھپٹا۔ اس کے دو تین ساتھی باہر راہداری میں موجود تھے۔ انہوں نے ٹویوڈا کو اس طرح بھاگتے دیکھا تو بوکھلا گئے۔ ادھر فریدی نے دو تین فائر کر دیئے۔

دو آدمی بچ کر گرے۔  
”جی..... حمید کو دیکھو۔“ فریدی نے کہا اور ان کے پیچھے دوڑتا چلا گیا۔  
جی فرش سے اٹھا۔ اس کے سینے پر چوٹ آئی تھی کیونکہ ٹویوڈا کا پیر اس کے سینے ہی پر

اب کمر بے کی فضا میں ایک وحشیانہ سا قہقہہ گونجا اور کسی نے کہا۔ ”کرنل فریدی تمہیں بھی یہی الفاظ دہرانے پڑیں گے اور کیپٹن حمید تم بھی تیار ہو جاؤ۔“

”تمہارا نام ٹویوڈا ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”تم گدھے ہو..... لیکن حیرت ہے کہ تمہیں کتیا نے جتنا تھا اور تمہارا باپ گیدڑ تھا۔“

”اچھا..... میں آ رہا ہوں۔“ آواز آئی۔ ”تم مطمئن رہو۔ تمہارے وہ سارے آدمی بھی تمہاری ہی طرح چوہے دان میں پھنس گئے ہیں جو اس عمارت میں داخل ہوئے تھے۔“

”یہ سارے دروازے لوہے کے معلوم ہوتے ہیں۔“ جی کارٹر مردہ سی آواز میں بولا۔ دوسرے ہی لمحے میں ایک دروازہ کھلا اور ایک سیاہ پوش جس کا چہرہ بھی نقاب میں پوشیدہ

تھا کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں چڑے کا چابک تھا اور بائیں ہاتھ میں نارچ قسم کی کوئی چیز تھی۔

فریدی نے ریوالور نکال لیا لیکن نقاب پوش نے ہنس کر کہا۔ ”بے کار ہے۔ کرنل میں ٹویوڈا ہوں۔ مجھ جیسے آدمی سے کبھی سابقہ نہ پڑا ہوگا۔ میرے سارے جسم پر بلٹ پروف موجود ہیں۔ تم شوق سے اپنے کارتوس ضائع کرو۔ مجھے ذرہ برابر بھی افسوس نہ ہوگا۔ لیکن ٹھہرو۔“

دوسرے ہی لمحے میں اس کے بائیں ہاتھ والی نارچ سے بجلی کی ایک لہری نکل کر فریدی کے ریوالور پر پڑی اور ریوالور اچھل کر دور جا گرا۔ فریدی بڑی تیزی سے اپنی ہتھیلیاں رگڑنے لگا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور آنکھوں میں تکلیف کے آثار تھے۔

نقاب پوش نے قہقہہ لگایا اور حمید دانت پیتا ہوا اس پر ٹوٹ پڑا۔ نارچ سے پھر ویسی چمک دار لہر نکلی اور حمید زمین پر گر کر ترپنے لگا۔

”میرا باپ گیدڑ تھا..... کیوں؟“ نقاب پوش نے قہقہہ لگایا۔ فریدی اُسے اس طرح گھور رہا تھا جیسے کوئی شکاری کتا اپنے شکار پر جھپٹنے کے لئے تیار کر رہا ہو اور جی کارٹر بری طرح کانپ رہا تھا۔

”تم خاموش کیوں کھڑے ہو کارٹر۔“ نقاب پوش دھاڑا اور ساتھ ہی اس کے چابک نے

حمید نے ہکلا ہکلا کر بدقت تمام ساری روداد دہرائی اور فریدی نے کہا ”حالانکہ نصیر کو تم منع کر دیا تھا لیکن اس نے فون پر مجھے بتایا کہ ان لوگوں نے کوئی یوریشین چور پکڑا تھا جسے تم ایک اپ کر کے اپنے ساتھ لے گئے ہو۔ میں اپنا کام دوسروں کے سپرد کر کے یہاں واپس آیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ جی بی ہوگا لیکن محض خیال سے کیا ہوتا ہے۔ مجھے اسے ثابت کرنے کے لئے کافی وقت برباد کرنا پڑا۔ اس کمرے میں انگلیوں کے نشانات تلاش کرنے پڑے جس میں نصیر وغیرہ نے اسے بند کیا تھا۔ ریکارڈ روم سے جی کارٹر کا ریکارڈ نکلوایا۔ نشانات ملائے۔ تب یقین ہوا کہ وہ جی کارٹر تھا۔ ٹویوڈا کے آدمی سرشمشاد کو ثروت منزل میں لے گئے تھے لیکن میں اطمینان کرنا چاہتا تھا کہ ٹویوڈا ابھی ثروت منزل میں موجود ہے یا نہیں۔ بہر حال تم سے ثروت منزل میں بھی ایک حماقت سرزد ہوئی تھی۔ تمہارے پاس سرشمشاد کو اسی لئے بھیجا گیا تھا کہ ٹویوڈا حالات کا اندازہ کر سکے۔ جی سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے سرشمشاد سے گفتگو کرنے کے بعد گنگنا اور سیٹیاں بجانا شروع کر دیا تھا۔ گویا تم مطمئن ہو گئے تھے۔ اسی سے ٹویوڈا نے اندازہ لگایا کہ وہ کچھلی رات سرشمشاد کے معاملے میں دھوکا کھا گیا تھا اور میں اسی کی راہ پر لگ گیا ہوں۔ اس لئے وہ ہوشیار ہو گیا۔ میں اس چکر میں تھا کہ وہ میرے متعلق دھوکے میں رہے۔ لیکن وہ تمہاری گرفتاری کے بعد سے ہوشیار ہو گیا تھا۔ میرے آدمیوں کو یہ بھی نہیں معلوم ہو سکا تھا کہ تم کب اور کس طرح ہوشیام لاج سے ثروت منزل پہنچائے گئے تھے۔ بس پھر جب رات کو وہاں چھاپے مارا تو میدان صاف تھا۔ سرشمشاد کے علاوہ اور کوئی نہ ملا۔ اُسے تو فوراً ہی باہر بھجوا دیا کیونکہ اس کی حالت اچھی نہیں تھی۔ اس کے بعد پھر ان لوگوں کی تلاش شروع ہوئی۔ ایک کمرے میں غیر متوقع طور پر تم دونوں ملے اور پھر اس کے بعد خود تم نے بھی اپنی حماقتوں کا نتیجہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔“

حمید صرف ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

فریدی نے سگار کا ایک طویل کش لے کر کہا۔ ”ٹویوڈا نے ان آٹھوں الوؤں سے کئی لاکھ روپے وصول کئے ہیں اور آئندہ بھی وصول کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس کا طریق کار ایسا

پڑا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس برقی لہر کا اثر وقتی ہوتا ہے کیونکہ ایک بار خود اُسے بھی اس کا تجربہ ہو چکا تھا۔ حمید کی حالت جلد ہی اعتدال پر آگئی۔ وہ اس کمرے سے باہر نکلا۔ ساری عمارت سنسان پڑی ہوئی تھی۔ جی سے اسے جو حالات معلوم ہوئے تھے انہیں مد نظر رکھتے ہوئے اس نے اندازہ لگایا کہ فریدی کو ان لوگوں کو آزاد کرانے کا موقع نہ ملا ہوگا جنہیں ٹویوڈا نے قید کر لیا تھا۔ پتہ نہیں وہ فریدی کی بلیک فورس کے آدمی تھے یا محکمے کے سادہ لباس والے۔ کچھ دیر تک ادھر ادھر بھٹکنے کے بعد وہ دونوں اس کمرے میں پہنچ گئے جہاں آٹھ سادہ لباس والے بے ہوش پڑے ہوئے تھے۔



تقریباً تین بجے وہ گھر پر فریدی کا انتظار کر رہا تھا۔ مصنوعی برقی رو کا اثر ابھی کلی طور پر اس کے سسٹم سے زائل نہیں ہوا تھا۔ تقریباً ساڑھے تین بجے فریدی غصے میں بھرا ہوا واپس آیا اور آتے ہی حمید پر برس پڑا۔

”دیکھا لیا حماقت اور جلد بازی کا نتیجہ..... وہ نکل گیا۔“

”مم..... میں..... میں معافی چاہتا ہوں۔“ حمید کان پکڑ کر گڑگڑایا۔ ”واقعی اس سے بڑی حماقت مجھ سے آج تک نہیں سرزد ہوئی۔ میں پاگل ہو گیا تھا۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ غصے میں بھرا ہوا ٹھہل رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ غرایا۔ ”پانی“ اور حمید خود ہی بکٹ بھاگتا ہوا پانی لینے چلا گیا اور پھر واپسی پر جب وہ پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھا رہا تھا فریدی بے ساختہ ہنس پڑا۔ حمید کی شکل ہی ایسی نکل آئی تھی کسی غمزہ لومڑی کی سی۔ ”ارے تو یہ صورت پر پھٹکار کیوں برس رہی ہے۔“ اس نے کہا۔

”پرواہ نہ کیجئے۔ اگر اس وقت پھٹے پرانے جوتے بھی برسیں تو مجھے غم نہ ہوگا۔“

فریدی گلاس خالی کر کے صوفے میں گر گیا اور جیب سے سگار نکال کر اس کا گوشہ توڑنے لگا۔ پھر حمید سے بولا۔ ”اب بیکو کہ یہ سب کیسے ہوا تھا۔“

ہی عجیب و غریب ہوتا ہے۔ اب یہی آٹھوں اس کے علاوہ اور کیا سوچ سکے ہوں گے کہ ٹویڈز جس وقت چاہے انہیں موت کے گھاٹ اتار سکتا ہے کیونکہ جس جگہ وہ ”تم الو ہو“ کی مہر لگا ہے اسی جگہ خنجر بھی پیوست کر سکتا ہے۔ نہ انہیں اس کا علم ہوتا تھا کہ مہر کب لگی اور نہ ان کے خیال کے مطابق اس کا علم ہو سکتا کہ کب حملہ ہو گیا۔ اس طرح خوفزدہ کر کے وہ سرمایہ داروں سے بہت رقیں اینٹھتا ہے۔“

”مگر جی کارٹر کا معاملہ۔ آخر اس کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔“

”اوہ..... کچھ بھی نہیں۔ وہ اسی طرح کام کے آدمیوں کو اپنا غلام بناتا ہے۔ وہ دراصل کارٹر کو یہ سمجھانا چاہتا تھا کہ وہ اس کے سامنے ہمیشہ بے بس رہے گا۔ اس کے اشاروں پر ہاتھ رہے گا۔ لہذا کیوں نہ وہ ایک کتے کی طرح اس کا وفاداری ہو جائے۔ وہ اسی طرح لوگوں کو اپنا غلام بناتا ہے۔ اس کے کام کرنے کے طریقے سائنٹفک ہوتے ہیں۔ وہ ایک ماہر نفسیات بھی ہے۔ لیکن وہ خواہ مخواہ پولیس سے الجھنے کی کوشش بھی نہیں کرتا۔ میرا خیال ہے کہ اگر جی کارٹر کی تم اور ٹونی یکجا نہ ہوتے تو اس ہنگامے کی نوبت نہ آتی۔ وہ بڑی احتیاط سے اپنے اُلوسیدہ کر کے یہاں سے کھسک جانے کی کوشش کرتا مگر اب.....!“

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور فریدی نے ہاتھ بڑھا کر ریسور اٹھا لیا۔ ”ہیلو لیس اٹ“

فریدی..... اوہ..... اچھا..... ہاں..... ہاں.....!“

اور پھر فریدی میساختہ منس پڑا۔ سدا کہ منقطع کر کے بھی ہنستا ہی رہا۔

”کیوں؟ کون تھا۔“ حمید نے پوچھا۔

”ٹویڈز!“

”نہیں۔“

”ہاں..... اس نے کہا ہے کہ اب وہ مجھے قتل کے بغیر یہاں سے واپس نہیں جائے گا۔“

حمید سناٹے میں آگیا اور فریدی انگڑائی لیتا ہوا بولا۔ ”نیند آ رہی ہے یار..... جاؤ تم بھی سو جاؤ۔“

تمام شد